نور من نور الانوار

و

اشرق بشعاع الاسرار

مفسر

شیخ الفضیلہ ہدایت الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ

مقدمہ واضافات

اسفندیار معروف خیل

﴿فہرست مضامین﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نُور کیا ہے؟

﴿ بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم ﴾

تمام تعریفیں اُس خدا کے لیئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے، اور درود نازل ہو اُن محمد رسول اللہ ﷺ پر، جو کہ سراپا نورالانوار، صفات حسنہ کے مالک، زبردست اور غالب خدا کے پیارے، اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے، جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا، اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے، جو کفار کو تہہ و بالا اور فساق و فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں اور ان کی پسندیدہ آل اور اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔(امام غزالیؒ)

﴿ بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم ﴾

پیش لفظ

اس کتابچے میں دو تفسیری مضامین شامل ہیں، دونوں مضامین قرآنِ پاک کے مشکل ترین مضامین میں سے ہیں، ایک مضمون 'نور' ہے اور دوسرا 'صاحب احسان'۔ دونوں مضامین پر شیخ الفضیلۃ ہدایت الرحمٰن صاحبؒ حفظہ اللہ (صوابی) نے روشنی ڈالی ہے، زیر تبصرہ آیات میں سورۂ نور کی آیت نمبر 35 اور سورۂ توبہ کی آیت نمبر 100 شامل ہیں، استاد محترم نے ان دونوں مشکل ترین آیات کے مفہوم کو ہمارے لیئے آسان الفاظ میں بیان فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور ہمیں اُن کے علوم و فیوض سے مستفید فرمائے۔

نور سے متعلق مضمون انتہائی مشکل اور وسیع ہے، میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس مضمون کو سائنس کی تناظر میں بھی دیکھا جائے، میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ سائنسی حقائق کی روشنی میں نور کی خصوصیات اور اہمیت واضح ہو جائے، اس تفسیری مضامین پر حاشیوں کی صورت میں مزید بحث شامل کرنے اور مقدمہ کی شکل میں اضافہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ استاد محترم نے جو مضامین ہمارے لیئے (اپنے شاگردوں کے لیئے) واضح کردی

ہیں، وہی مضامین دوسروں کے لیئے بھی واضح ہو جائے، یہ بھی بتا تا چلوں کہ جو کچھ اضافات میں نے یہاں کئے ہیں یہ وہی چیزیں ہیں جو میں نے استاد محترم ہی سے سیکھی ہیں۔

طالب دُعا

اسفندیار معروف خیل

اکتوبر ۲۰۱۸ء بمطابق صفر ۱۴۴۰ھ

﴿ بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرحّیم ﴾

مقدمہ

اس تفسیری مضمون میں سورۂ نور کی آیت نمبر 35 پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ آیت مبارکہ اُن آیات میں شامل ہے جس کی حقیقت جاننے والے صوفیاء کرام ہیں یعنی یہ صوفیاء حضرات کے دائرۂ عمل میں آتا ہے، دراصل قرآن پاک کے کچھ مضامین ایسے ہیں جن کے متعلق رہنمائی حاصل کرنے کے لیئے ہمیں فقہاء کرام کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ان کا تعلق تصوف سے ہوتا ہے، ہر کسی کا اپنا دائرہ اور دلچسپی کا میدان ہے، فقہاء کا الگ، محدثین کا الگ اور صوفیاء کا الگ اور ہر ایک نے اپنے اپنے دائرے اور میدان میں کام کیئے ہیں، یہ تمام اصحاب ہمارے محسن ہیں۔

قرآن پاک کا یہ آیت کتنا اہم اور کتنا مشکل ہے اس بات کا اندازہ ہمیں امام غزالیؒ کی اس بات سے ہوسکتی ہے جو آپؒ نے اپنے ایک شاگرد کے اس آیت کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں کہی تھی، آپؒ فرماتے ہیں۔ ''تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں، تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا، نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے، صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص398)

اَلنُّورُ

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے کیونکہ جو چیز فی نفسہٖ ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو، اس کا نام 'نور' ہے، اور جب وجود کا مقابلہ عدم سے کیا جائے تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائے گا، اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہوسکتا، پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکال کر وجود کی روشنی میں لاتا ہے، وہ سب سے زیادہ 'نور' کہلانے کا مستحق ہے۔

وجود ایک 'نور' ہے، جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے، پس وہ آسمان و زمین کا نور ہے، اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان و زمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ (شرح اسماءُالحسنٰی از امام غزالیؒ ترجمہ مرزا محمد نذیر عرشی بحوالہ مجموعہ رسائل امام غزالیؒ ص 137)

نور تو نور ہے نور کو کون دیکھ سکتا ہے:

''فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازاً ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص398)

چونکہ نور اور روشنی ہم معنی ہے اس لیئے آیت مبارکہ کے پہلے حصے 'اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ': سے یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ بھی ویسی ہی روشنی ہے جس کو سائنس مادہ (Matter)

کہتی ہے، یعنی جس روشنی کو ہم ناپ و تول سکتے ہیں، اس لیئے اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں، پہلے دیکھتے ہیں کہ روشنی ہے کیا چیز؟ اس چیز کو سمجھنے کے لیئے ہمیں سائنس کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

سائنس کی اصطلاح میں روشنی الیکٹرو میگنیٹک لہریں (Electromagnetic Waves) ہیں، یعنی خلا میں تیرتا ہوا ایک ایسا الیکٹرک فیلڈ جس کو میگنیٹک فیلڈ نے جکڑ رکھا ہو، کو روشنی کہا جاتا ہے۔ روشنی دوسری چیزوں کو دیکھنے کے کام آتی ہے، ہم صرف اُس روشنی کو دیکھ سکتے ہیں جس کا ویو لینتھ (wavelenght) ایک میٹر کا 400 سے 700 کروڑ واں حصہ ہو، اس کو نینو میٹر (nanometer) بھی کہا جاتا ہے یعنی بال کے ایک فی صدی چوڑائی کے برابر، اس سے کم یا زیادہ ویو لینتھ کی روشنی ہم نہیں دیکھ پاتے۔

روشنی کی رفتار 1,86,400 میل فی سیکنڈ ہے یعنی تیس کروڑ میٹر فی سیکنڈ، سائنس نے اس رفتار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ الیکٹرک فیلڈ میں تبدیلی کی وجہ سے میگنیٹک فیلڈ بنتا ہے، اور اسی میگنیٹک فیلڈ کی وجہ سے آگے ایک اور الیکٹرک فیلڈ بن جاتا ہے، اس طرح پے در پے بڑی تیزی کے ساتھ الیکٹرو میگنیٹک فیلڈ بنتے رہتے ہیں، یہ ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہوتا ہے جو بڑی برق رفتاری کے ساتھ آگے چلتا رہتا ہے۔

روشنی ہمیں کائنات کے دوسرے اجرام سے منسلک connect کرنے کا ذریعہ ہے، زمین چونکہ کائنات کے دوسرے اجرام کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹی ہے اس لیئے ہم کائنات کے دوسرے اجرام کی ناپ تول کے لیئے زمین کے پیمانے یعنی میل اور کلو میٹر استعمال نہیں کر سکتے، اس وجہ سے ان پیمائشوں کے لیئے سائنسدان روشنی کی رفتار کو پیمانہ بنا کر استعمال کرتے ہیں، روشنی ایک سال

میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اس کو نوری سال light year کہا جاتا ہے، روشنی کا ایک سیکنڈ، ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہے، اور ایک نوری سال چھ ٹریلین میل ہے (ایک ملین برابر ہے دس لاکھ کے، اور ایک بلین برابر ہے سو کروڑ یعنی ایک ارب کے، اور ایک ٹریلین برابر ہے ایک لاکھ کروڑ کے یعنی دس کھرب کے)۔

روشنی کی رفتار کو پیمانہ بنانے کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ ہمارے کہکشاں جس کو ملکی وے milky way کہا جاتا ہے، کے زمین کی طرف نزدیک ترین کنارے پر واقع ستارے یا سیارے کا زمین سے فاصلہ چھ نوری سال ہیں، ہمارے کہکشاں سے نزدیک ترین کہکشاں کا نام انڈرومیڈہ andromeda ہے اور اس کا ہمارے کہکشاں سے فاصلہ دو ملین یعنی بیس لاکھ نوری سال ہے، اس سے آگے کہکشاں کا نام ورگو کلسٹر virgo cluster ہے جو ساٹھ ملین نوری سال فاصلے پر واقع ہے، اور اس سے بھی آگے کہکشاں کا نام کوسموس ازٹیک کلسٹر cosmos aztec cluster ہے 12.6 بلین نوری سال پر واقع ہے۔

روشنی لہروں waves کی شکل میں بھی ہوتا ہے اور ذرات particles کی شکل میں بھی جیسے انرجی کے پیکٹ یعنی پوٹان photon۔ روشنی جب لہروں waves کی شکل میں ہوتی ہے تو وہ یا تو گیما gamma کی شکل میں ہو گی یا ایکس ریز x-rays کی شکل میں اور یا الٹراوائلٹ ultraviolet کی شکل میں، یہ وہ حالتیں ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں، اس کے بعد روشنی کے لہروں کا بہت چھوٹا سا حصہ اس حالت form میں ہوتا ہے جو ہمیں نظر آتا ہے یعنی visible light، روشنی کے لہروں کی ایک حالت کو انفراریڈ infrared بھی کہا جاتا ہے جیسے ریموٹ کنٹرول وغیرہ سے نکلنے والی شعاعیں، یہ بھی ہمیں نظر نہیں آتیں، ایک شکل مائیکرو ویوز microwaves کی ہے اور ایک ریڈیو

ویوز radio waves کی، یہ بھی ہمیں نظر نہیں آتیں، ان لہروں میں ویولینتھ wave lenght کے حساب سے سب سے چھوٹی لہر گیما gamma کی ہے اور سب سے بڑی radio waves کی، جو کبھی کبھی زمین کے حجم سے بھی بڑی ہوتی ہے۔

یہ روشنی کی وہ قسمیں ہیں جن کو مادہ (matter) کہا جاتا ہے، مگر اُس روشنی یعنی نور کے کیا کہنے جو مادہ نہیں ہے، جس کو نہ کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور جس کی نہ کوئی آلہ ناپ پرکھ (detect) کرسکتا ہے، ہاں جس کو اللہ چاہے اپنا نور کسی بھی شکل میں دکھا دے، دراصل اس عام روشنی اور اس نور میں فرق یہ ہے، کہ عام روشنی تو چیزیں دیکھنے کے کام آتی ہیں یا دوسری چیزوں کی افزائش اس سے ہوتی ہے وغیرہ، لیکن اللہ کا نور اللہ کو پہچاننے کے واسطے ہے، اس نور میں روحانی طاقتیں پنہاں ہیں، ہدایت، ایمان، روح وغیرہ

روشنی فضاء میں موجوں (Waves) کے ذریعے پھیلتی ہے جس طرح کہ آواز ہوا میں موجوں کے ذریعے پھیلتی ہے، ہر شعاع کا ایک طول موج (wave lenght) ہوتا ہے، اور اس شعاع کا رنگ اسی طول موج پر منحصر ہوتا ہے، بڑی طول موج (long wave lenght) کی شعاعیں سرخ ہوتی ہیں اور جیسے جیسے طول گھٹتا جاتا ہے رنگ بھی بدلتا جاتا ہے، یہاں تک کہ چھوٹی طول موج (short wave lenght) کی شعاعوں کا رنگ بنفشی ہوتا ہے، ہر روشنی مختلف شعاعوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان شعاعوں کے مختلف طول موج ہوتے ہیں، اس لیئے ایک روشنی میں مختلف رنگ کی شعاعیں پائی جاتی ہیں۔

معمولی روشنی کو جو سفید نظر آتی ہے، بلور (glass) سے دیکھیں تو مختلف طول کی شعاعیں

علٰحیدہ ہو جاتی ہیں اور اس لیئے مختلف رنگ دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح سفید روشنی سات رنگوں میں پھٹ جاتی ہے، رنگوں کا یہ سلسلہ سرخ سے شروع ہوتا ہے اور بنفشی پر ختم ہوتا ہے، اس سلسلے کو شعاع ریزی (spectrum) کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ سرخ رنگ کی شعاعوں سے بڑے طول موج اور بنفشی رنگ کی شعاعوں سے چھوٹے طول موج کی شعاعیں بھی ہوتی ہیں لیکن یہ نظر نہیں آتیں، ان کو الٹراوائیلٹ شعاعیں (ultraviolet) کہتے ہیں۔

کسی چیز سے نکلنے والی شعاعیں جب ایک جگہ ملتی ہیں تو ہمیں اس چیز کا عکس نظر آتا ہے، آئن سٹائن کے تھیوری کے مطابق اگر کوئی ایسی جگہ پر ہو جہاں سورج 50 کروڑ سال پہلے تھا تو اس کو ایک ایسا ستارہ نظر آئے گا جو چمک، شکل اور حجم میں سورج کے مماثل ہوگا، اسی طرح اگر کوئی اس مقام کے قریب ہو جہاں سورج ایک ارب سال پہلے موجود تھا تو اس کو ایک اور سورج نظر آئے گا یعنی وہاں بھی سورج کا عکس (Image) نظر آئے گا، یہ سلسلہ وہاں ختم ہوگا جب کہ ہم ایسے وقت پر پہنچ جائیں جب سورج کا وجود ہی نہیں تھا، اسی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے ستارے جو ہم کو آسمان پر نظر آتے ہیں ممکن ہے کہ صرف خیال ہوں اور اصلی ستارے نہ ہوں یعنی ایک سیارہ یا ستارہ جو ہم سے جتنی نوری سال کے فاصلے پر ہوتا ہے جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اتنے ہی سال پیچھے ماضی میں دیکھ رہے ہوتے ہیں، یہ روشنی کی خاصیت ہے۔

لیکن مشہور سائنسدان 'ڈے سٹر' (De Sitter) کے مطابق ایسا ممکن نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ ایک شخص ایک گھڑی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھتا ہے جیسے جیسے یہ گھڑی اس سے دور ہوتی جائے گی، گھڑی کی رفتار اس کو سست معلوم ہوگی، جب یہ شخص کائنات کے محیط کے چوتھائی کے برابر پہنچے گا تب اس کو گھڑی بالکل ساکن نظر آئے گی، یہ مقام اس کی نظر میں ایک کامل سکون کا مقام ہوگا، جہاں حرکت

اور زندگی کے کوئی آثار اس کو دکھائی نہیں دیں گے اس مقام سے آگے کی خبریں اس شخص تک نہیں پہنچ سکتیں کیونکہ روشنی کی موجیں اس سرحد کے پار نہیں جاسکتیں، یہ سرحد کوئی حقیقی سرحد نہیں ہے بلکہ دنیا کے کاروبار وہاں بھی بالکل اسی طرح چلتے ہیں جیسے خود اس شخص کے مقام پر۔ ہمیں صرف ان مقامات کی خبریں مل سکتی ہیں جہاں تک روشنی پہنچ سکتی ہے، یہ انتہائی مقامات کروڑوں ارب میل پر واقع ہیں، چونکہ روشنی کی شعاعیں اس سرحد کو پار نہیں کرسکتی، اس لیئے وہ کائنات کا پورا چکر لگانے سے معذور ہیں اور اس لیئے ستاروں کے عکسوں کا بننا ممکن نہیں، جیسا کہ آئن سٹائن کہتا ہے۔

نظریۂ اضافت (Theory of Relativity)

نظریۂ اضافت کیا ہے اور اس نظریئے کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے؟ یہ ایک بہت ہی اہم نظریۂ ہے اس کو سمجھنے سے ہمیں آیت زیر بحث سے متعلقہ بہت سے اُمور کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اس نظریئے سے پہلے نیوٹونین فزکس (newtonion physics) کا زمانہ تھا، نیوٹن اور اس کے ہمنوا سائنسدانوں کا خیال تھا کہ مادہ (matter) کو تباہ نہیں کیا جاسکتا یعنی ختم نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کی شکلیں تبدیل کی جاسکتی ہیں جیسے پانی بخارات یا بھاپ کی شکل بھی اختیار کرسکتی ہے اور برف کی بھی اور بخارات یا برف سے پھر پانی بنایا جاسکتا ہے لیکن اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، اس کو قانون بقائے مادہ (law of conservation of matter) کہا جاتا ہے، اس قانون کے مطابق مادہ ختمی، قطعی، ناقابل تردید اور مستحکم ہے، لیکن اب آئن سٹائن کی فزکس کا دور ہے، نظریۂ اضافت مشہور سائنسدان آئن سٹائن نے پیش کیا، اس نظرئے کے مطابق مادہ کو ختم کیا جاسکتا ہے یعنی مادہ اب ختمی، قطعی اور ناقابل تردید نہیں رہا، اس نے مادے اور توانائی کے تعلق کو ایک کلیئے $E=mc^2$ سے ظاہر کیا، اس کلیئے میں E انرجی کے یونٹس کو ظاہر کرتی ہے، m مادے کی کیمیت mass (یعنی وہ وزن

جو کشش ثقل کے قوت کے بغیر ہو) کے یونٹس کو ظاہر کرتا ہے، اور c^2 روشنی کی رفتار (خود سے ضرب کھانے کے بعد) کو ظاہر کرتی ہے، اس نظریئے کے چیدہ چیدہ نقاط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مادے کو توانائی (energy) میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ یہ توانائی (انرجی) اتنی زیادہ مقدار میں پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی مادی جسم کی کیمیت کو روشنی کی رفتار کو خود سے ضرب دینے کے بعد ضرب دے دو، جو عدد حاصل ہوگی وہ اس انرجی کی مقدار ہے مثلاً ایک گرام مادے سے حاصل ہونے والی توانائی کی مقدار یہ ہوگی:

$$1g \times 30000000000 \times 30000000000 = 9 \times 10^{20} \text{ Erg}$$

Erg توانائی کی یونٹ ہے، اب اگر اس مقدار کو ہم joul میں تبدیل کر دیں (joul بھی توانائی کی اکائی ہے جو ایک واٹ بجلی کے برابر ہوتا ہے یعنی $1J = 2.777778 \times 10^{-7}$ kwh)

اور $1 \text{ Erg} = 1 \times 10^{-7}$ Jouls تو

$$9 \times 10^{20} \text{ Erg} = 1 \times 9 \times 10^{13} \text{ J} = 0.9 \times 10^{13} \text{ J} = 25000000 \text{ kw/hr}$$

توانائی کی یہ مقدار اس قدر کثیر ہے کہ اگر آپ کے گھر کے بجلی کا ماہانہ بل 100 یونٹ ہو تو بجلی کی یہ مقدار آپ کے لیئے 20 ہزار سالوں کے لیئے کافی ہوگی۔

۳۔ وقت پر تیز رفتاری کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔

۴۔ اگر کوئی مادی جسم روشنی کی رفتار کے ساتھ حرکت کرے گا تو اس کے لیئے وقت نہیں گزرے گا۔

۵۔ ہر مشاہد کا وقت اس کا ذاتی وقت ہے جو دوسرے مشاہد کے وقت سے مختلف ہوتا ہے۔

۶۔ اسی طرح مکان بھی مطلق نہیں اضافی ہے کیونکہ دو متحرک چیزوں کے درمیانی فاصلے کے کوئی معنی نہیں جب تک وقت کا تعین نہ کیا جائے کہ کس قدر وقت کے لیئے یہ فاصلہ ناپا جا رہا ہے، اور کون سا مشاہد اس فاصلے کو ناپ رہا ہے، چونکہ وقت خود اضافی ہے اس لیئے فاصلہ جو وقت پر منحصر ہے لازماً اضافی ہوگا۔

۷۔ نیوٹن کے مطابق مکان و زمان مطلق اور علیٰحدہ ہیں، جبکہ آئن سٹائن کے مطابق مکان و زمان ایک دوسرے پر منحصر اور اضافی ہیں۔

۸۔ ہر متحرک مادی شئ کا وہ طول جو حرکت کی سمت میں ہو خود بخود سکڑ جاتا ہے۔

۹۔ مختلف مشاہدین کے لیئے چاہے وہ کسی یکساں سیدھی رفتار سے حرکت کر رہے ہوں روشنی کی رفتار ایک ہی ہوتی ہے۔

۱۰۔ کائنات میں کوئی شئ روشنی کی رفتار سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی، لیکن اگر کوئی مادی شئ روشنی کی رفتار سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ سفر کرے تو اس کے لیئے واقعات اُلٹے ترتیب سے دیکھائی دیں گے۔

۱۱۔ ہر متحرک شئ کی کیمیت میں اضافہ ہونا لازمی ہے، جبکہ متحرک کو اپنی کیمیت اور اپنی متعلقہ چیزوں میں اضافہ محسوس نہیں ہوتا۔

۱۲۔ قوت بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی چیز ہے،قوت بھی فاصلہ اور کیمیت پر منحصر ہوتی ہے۔

۱۳۔ قوت کوئی خارجی شئ نہیں ہے بلکہ خود ’مکان و زمان‘ (Time & Space) کی ایک حالت ہے جو ہم کو قوت کے طور پر محسوس ہوتی ہے۔

۱۴۔ تجاذبی میدان (کشش ثقل) کا اثر نہ صرف مادی ذروں پر بلکہ روشنی کی شعاعوں پر بھی ہوتا ہے۔

۱۵۔ اگر شعاع کسی مادی جسم کے قریب سے گزرے تو اپنے سیدھے راستے سے مڑ جائے گی اگر چہ یہ اثر بہت چھوٹا ہوگا۔

۱۶۔ توانائی (energy) اور مادہ (matter) اصل میں ایک ہی چیز کی مختلف حالتیں ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

۱۷۔ نہ صرف روشنی بلکہ ہر قسم کی توانائی جیسے حرارتی، برقی اور مقناطیسی توانائی کا بھی وزن ہوتا ہے۔

۱۸۔ کائنات صرف مکان (space) کی حد تک متناہی ہے لیکن زمان (time) کے لحاظ سے بے انتہا ہے، مثلاً ایک بڑا استون جس کی موٹائی محدود ہو اور لمبائی لامحدود ہو۔

۱۹۔ کائنات ’متناہی لیکن غیر محدود ہے‘۔

۲۰۔ اگر روشنی کی ایک شعاع کائنات کے گرد گھومتی ہے تو چکر پورا کرنے میں اس کو ایک ارب

سال لگیں گے (یعنی ایک ارب نوری سال)۔

۲۱۔ مادہ اور توانائی دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز کی دو حالتیں ہیں۔

۲۲۔ ایسی یکسانیت جس میں کسی قسم کا تغّیر نہ ہو سائنس کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس کا عدم اور وجود دونوں برابر ہیں۔

۲۳۔ کائنات میں جب بھی کبھی کوئی تغّیر ہوتا ہے تو توانائی کی افادیت میں ہمیشہ کمی ہوتی ہے، یعنی تغّیر سے پہلے توانائی جتنی مفید تھی تغّیر کے بعد اس سے کم مفید ہو جاتی ہے۔

۲۴۔ دنیا کی 'ناکارگی' (entropy) میں ہمیشہ اضافہ ہوتا ہے، کبھی کمی نہیں ہوتی یعنی توانائی کا کم مفید ہونا ناکارگی میں اضافے کے مماثل ہے۔

۲۵۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمام توانائی کامل طور پر غیر مفید حالت میں منتقل ہو جائے گی۔

۲٦۔ کائنات کے ہر مقام پر 'مکان و زمان' (time & space) کے ساتھ ساتھ ناپ کا پیمانہ مختلف ہوگا۔

<u>وقت کے ساتھ سفر **(time travel)**:</u> اوپر آئن سٹائن کی تھیوری میں ہم نے پڑھا تھا کہ کوئی چیز بھی روشنی کی رفتار سے زیادہ رفتار سے حرکت نہیں کر سکتی (nothing can travel faster then the speed of light)۔ لیکن آج کی سائنس نے یہ بات غلط ثابت کر دی ہے۔

جدید سائنسی علوم کے مطابق جب کوئی ستارہ یا کہکشاں ہمارے مخالف سمت میں روشنی کی رفتار سے حرکت کرے تو اس کی ریڈ شفٹ ویلیو (red shift value) جس کو 'z' سے ظاہر کیا جاتا ہے 1.4 ہوگی ۔ یہ سائنسی اصطلاح ماہرین فلکیات اُس حالت کے لیئے استعمال کرتے ہیں جب کوئی ستارہ یا کہکشاں زمین سے مخالف سمت حرکت کرے تو اس کی روشنی کا سرخ حصّہ زمین کی طرف واضح ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی روشنی کی طول موج (wave lenght) زیادہ ہوتی ہے، اس کو ریڈ شفٹ (red shift) کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی ستارہ یا کہکشاں زمین کی طرف حرکت کرے تو اس کی روشنی کا نیلا حصہ ہماری طرف واضح ہوتا ہے، اس روشنی کی طول موج (wave lenght) کم ہوتی ہے اس کو بلیو شفٹ (blue shift) کہا جاتا ہے، یہ بالکل وہی چیز ہے جسے ڈوپلر ایفیکٹ (doppler effect) کہا جاتا ہے یعنی ہماری طرف آنے والی آواز جیسے جیسے نزدیک ہوتی جاتی ہے اس کی طول موج کم ہوتی جاتی ہے اور دور ہونے والی آواز کی طول موج زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ سائنسدانوں نے ریڈ شفٹ کی ویلیو نکالنے کے لیئے ایک فارمولہ بنایا ہے اس ویلیو کو z کی علامت (symbol) سے ظاہر کیا جاتا ہے، جو چیزیں (objects) روشنی کی رفتار سے حرکت کرتے ہوں اُن کی z ویلیو 1.4 ہوتی ہے۔

لیکن ہبل ٹیلی سکوپ (hubble telescope) کے ذریعے سے امریکی ادارے ناسا (NASA) روزانہ ایسے ستاروں اور کہکشاؤں کی حرکت ملاحظہ کرتی رہتی ہے جس کی z ویلیو 1.8 تک ہوتی ہے یعنی روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں بہت سارے اجسام ایسے پائے جاتے ہیں جو روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور یہ بھی کہ روشنی کی رفتار (مادی روشنی)، رفتار کی آخری حد نہیں ہے، ان اجسام میں وہ براق بھی شامل ہے جس

کا ذکر واقعۂ معراج کے روایات میں آتا ہے، اور پشتو زبان کے صوفی شاعر رحمان باباؒ نے بھی ایک مشہور شعر میں 'رفتار' ہی کا ذکر کیا ہے یعنی رفتار نور یا روح (the speed of spirit)، ملاحظہ ہو:

چہ پہ یو قدم تر عرشہ پورے رسی

ما لیدلے دے 'رفتار' د درویشانو۔

یہاں 'کمال' نہیں فرمایا بلکہ 'رفتار' فرمایا اور عجیب بات یہ ہے کہ آج کی سائنسی دنیا میں ہر چیز کو نور کے رفتار کے پیمانوں سے ہی ناپا جاتا ہے، خاص کر 'زمان و مکان و کائناتی' چیزوں کو۔ اس کے علاوہ جدید سائنس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ 'ٹیکیون' (techyon) نامی ذرات روشنی کی رفتار سے زیادہ رفتار سے حرکت کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، ''ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سی شئے ہے اور جس شخص نے اس جہان کا سفر نہ کیا ہو اور تاہنوز وہ اسی جہان کی پستی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایۂ ہے، جو انسانی خاصیت سے محروم ہے بلکہ حیوانات سے بھی بدتر، اس لیئے کہ حیوانات کو تو اس جہاں کی طرف اڑنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی بخلاف انسان کے، اسی لیئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُوْلَـٰئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط: (سورۃ الاعراف، آیت 179)

''یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں''۔

یہ بات ذہن نشین کرلو کہ ظاہر عالم، عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ مغز کے

مقابلے میں چھلکا یا روح کے مقابلے میں صورت وشکل، نور کے مقابلے میں ظلمت اور بلندی کے مقابلے میں پستی۔اسی لیئے عالم ملکوت کو عالم روحانی، عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں، اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے، یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت وحس کے مقابلے میں بلند ہیں، ان کے دریافت میں تو حیوانات بھی شریک ہیں لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لیئے ملکوت کے دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب اس کے حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے، یہ نہیں کہ جو شئ اس کے حس وخیال کے نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شئ حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے''۔(مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص 407)

حیوانات سے مراد غیر مسلم ہیں، جہاز وہی اڑتا ہے جس میں فیول ہو، اور انسان کے لیئے یہ فیول نور ہے، جس میں نور ہوگا وہ اڑ سکے گا جس میں نہیں ہوگا نہیں اڑ سکے گا، یعنی غیر مسلم چونکہ ایمان کے نور سے محروم ہیں لہٰذا ان میں اڑنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، امام غزالیؒ نے دروازہ کھلنے کا ذکر بھی فرمایا ہے، اس دروازے سے متعلق بحث آگے آ رہی ہے، اب چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کائنات میں بہت سے اجسام ایسے ہیں جو روشنی کی رفتار سے بھی تیز رفتار سے حرکت کر سکتے ہیں، تو اس ضمن میں واقعۂ معراج پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں، یہ واقعہ اس کائنات میں ٹائم ٹریول کا ایک انوکھا واقعہ ہے، اس واقعے پر بات کرنے کا مقصد یہ ہے آج کے دور میں پڑھے لکھے لوگ ہر بات کو سائنس کے ترازو میں تولتے ہیں، جو بات سائنس کے ترازو پر پوری اُترتی ہے اس کو مان لیتے ہیں اور جو پوری نہیں اُترتی اس کو رد کر دیتے ہیں، جس وقت نیوٹن کے سائنس اور نظریات کا دور تھا اس وقت بڑے

بڑے مسلمان عالم دین سکالروں جیسے سر سید احمد خان صاحب وغیرہ نے واقعہ معراج کو ماننے سے انکار صرف اس وجہ سے کیا تھا کہ نیوٹونین فزکس کے اُصولوں کے تحت یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک انسان کائنات کو پار کر سکے۔

جدید سائنسی علوم کی روشنی میں سر سید احمد خان صاحب جیسے علماء تو کیا کفار بھی واقعہ معراج سے اس بناء پر انکار نہیں کر سکتے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، مثال کے طور پر سائنسی اُصولوں کے مطابق فاصلہ برابر ہے رفتار ضرب وقت کے یعنی فاصلہ(s)= رفتار(v) x وقت(t)

اب اس فارمولہ کی روشنی میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا جائزہ لیتے ہیں، مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ کا فاصلہ 1461 کلومیٹر ہے، روشنی کی رفتار 30 کروڑ میٹر فی سیکنڈ ہے، اگر ہم براق کی رفتار کو روشنی کی رفتار سے دُگنا تصور کریں تو دیکھتے ہیں کہ یہ فاصلہ کتنے وقت میں طے ہو سکتا ہے: so, t= s/v as s = v x t قیمتیں لگانے کے بعد

t= 1461 km/60,0000000 m/s = 0.000002 killo sec

یعنی براق یہ فاصلہ ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں طے کر سکتا ہے، آنکھ جھپکنے کے لیئے بھی 0.02 سیکنڈ درکار ہوتے ہیں اور یہ فاصلہ آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے طے ہونا ممکن ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ نظریۂ اضافیت کے مطابق اگر کوئی جسم روشنی کی رفتار یا اس کے 90% رفتار سے حرکت کرے تو اس کے لیئے وقت بہت ہی آہستہ ہو جاتا ہے، جبکہ گردونواح کا وقت جلدی گزرتا ہے، جبکہ واقعہ معراج میں اس کے بالکل اُلٹ ہوا تھا، گردنواح کا وقت تقریباً رک چکا تھا

جبکہ نبی کریم ﷺ کے لیئے وقت اپنی رفتار سے جاری تھا یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ کو اس سفر میں 27 برس لگے اور بعض روایات کے مطابق 18 سال لگے، ایسا کیوں ہوا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ نظریہ اضافیت کے اُصول صرف اُن چیزوں پر لاگو ہوتے ہیں جو روشنی کی رفتار سے کم رفتار سے حرکت کریں، اور جو چیزیں روشنی کی رفتار سے زیادہ رفتار سے حرکت کریں اُن پر نظریہ اضافیت لاگو نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض براق روشنی کی رفتار سے دوگنا زیادہ رفتار سے حرکت کرے تو اس کو زمین سے سورج تک پہنچنے میں 4 منٹ لگیں گے اور سدرۃ المنتہیٰ تک شاید کھربوں سال۔ تو پھر غالباً آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر براق پہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

اس سلسلے میں چند آیات مبارکہ ملاحظہ ہوں:

سورۃ الذٰریٰت کی آیت نمبر 7 حُبک کا ذکر آیا ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ ۙ: ترجمہ ’’اور قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں‘‘۔

اور سورۃ المؤمنون آیت نمبر 17 میں بھی اسی طرف اشارہ موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ :

’’اور یقیناً ہم نے تمہارے اُوپر سات راستے بنائے ہیں، اور نہیں ہیں ہم عمل تخلیق سے نابلد‘‘۔

سورۃ الرعد آیت 41 بھی ملاحظہ فرمائیں:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ط وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ط وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ:

''کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آ رہے ہیں اس سرزمین پر اور تنگ کر رہے ہیں اس (دائرے) کو ہر طرف سے، اور اللہ حکومت کر رہا ہے، نہیں ہے کوئی نظر ثانی کرنے والا اُس کے فیصلوں پر اور وہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

سورۃ النحل آیت 68 تا 69 ملاحظہ ہو:

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ(لا) ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ:

''اور وحی کر دی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں میں چھتے اور درختوں پر اور ان (چھپروں) میں جن پر لوگ بیلیں چڑھاتے ہیں۔ پھر ہر طرح کے پھلوں میں سے کھا اور چلتی پھرتی رہ اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں (راستوں) پر۔ نکلتا ہے اُن کے پیٹ سے ایک مشروب مختلف ہیں جس کے رنگ، اس میں شفا ہے انسانوں کے لیئے۔ یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیئے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

زمین سے آسمانوں، ستاروں، بروج اور کائنات کے دوسرے حصوں تک اللہ تعالیٰ نے

راستے بنائے ہیں، یہ تمام راستے مختلف لہروں کے شکلوں میں موجود ہیں، درج بالا آیات کریمہ میں ان تمام راستوں کا ذکر ہے جو زمین سے شروع ہو کر مختلف ستاروں/سیاروں سے ہو کر آسمانوں یا اس سے اُوپر بھی جاتے ہیں۔

یہ تمام راستے مختلف wave lenght میں موجود ہوتے ہیں، زمین کے ساتھ ساتھ یہ wave lenght اور راستے لا تعداد اور بے شمار ہیں، ان راستوں اور ویولینتھ کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کی آوازیں بھی سنتے ہیں، خواہ یہ آوازیں آمنے سامنے سے ہوں یا فون/نیٹ net یا کسی دوسرے device کے ذریعے۔ زمین دوسرے کُرّات کے ساتھ بھی انہی مقناطیسی لہروں/طاقت کے ساتھ جڑا ہوا ہے، زمین سے دوسرے ستاروں/سیاروں کو جو راستہ جاتا ہے اس کو قرآن (سورۃ المؤمنون آیت نمبر 17) میں طرائق کا نام دیا ہے، لفظ طرائق کا اطلاق راستوں کے لیئے بھی ہوتا ہے اور طبقوں کے لیئے بھی، اللہ تعالیٰ نے سمندر میں بھی بنی اسرائیل کے لیئے خشک راستے بنا لیئے۔ جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 77 میں آیا ہے:

طَرِیْقاً فِیْ الْبَحْرِ یَبَساً : (عصا مار کر بنادو ان کے لیئے) ایک راستہ سمندر میں خشک۔

سورۃ الجن آیت 7 تا 9 ملاحظہ ہو:

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَداً (لا) وَّأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَساً شَدِيْداً وَّشُهُباً (لا) وَّأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ط فَمَن يَسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهُ شِهَاباً رَّصَداً (لا) :

''اور یہ کہ وہ بھی یہی گمان رکھتے تھے جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ ہرگز نہیں اٹھائے گا (مرنے

کے بعد) اللہ کسی کو۔اور ہم نے ٹٹولا آسمان کو تو پایا ہم نے اسے کہ وہ پٹا پڑا ہے مضبوط پہرے داروں سے اور شعلوں سے۔اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے آسمان میں سن گن لینے کی جگہوں پر۔لیکن جو کوئی سننے کی کوشش کرتا ہے اب تو پاتا ہے وہ اپنے لیئے ایک شہابِ ثاقب''۔

حضور ﷺ کے بعثت کے وقت جب جنات اوپر جانے کی کوشش کرتے تو ان پر شہاب ثاقب کا حملہ ہوتا۔اس سے پہلے وہ اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیئے ان طرائق میں بیٹھ جاتے۔ اس لیئے سورۃ المؤمنون آیت نمبر 17 میں نظام شمسی کے اندر مختلف ستاروں کا آپس میں ایک مقناطیسی جوڑ موجود ہونے کے ساتھ ساتھ 7 راستوں کا ذکر بھی ہے اور ان میں جنات کے بیٹھنے کا ذکر بھی ہے، اس لیئے طریق وہ راستہ جس میں آرام اور کچھ سننے کے لیئے بیٹھ سکتے ہیں۔

جبکہ سورۃ الذٰریٰت کی آیت نمبر 7 میں لفظ حبک استعمال ہوا ہے، یہ وہ راستہ/راستے ہیں جو نظام شمسی سے دوسرے نظاموں کے ساتھ موجود ہیں، حبک (جمع ۔اس کا واحد حباک) مضبوط اور استواری کے لیئے استعمال ہوتا ہے، ابن الجوزیؒ نے تفسیر زاد المسیر میں امام الفراء بغوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حبک کے معٰنی کسی سطح پر بننے والی لہریں ہیں جیسے ریت کے اوپر ہلکی ہوا چلنے سے جو راستے بنتے ہیں یا پانی کی سطح پر ہوا چلنے کی وجہ سے جو راستے بنتے ہیں ان کو حبک کہا جاتا ہے۔

اسی طرح گھنگریالے بالوں کی جولٹ ہوتی ہے اُس کو بھی حبک کہا جاتا ہے،،مضبوط کپڑوں کے استعمال میں دھاریوں کو استعمال کرتے ہیں اس کو حبک کہتے ہیں، مختلف لہروں یا دھاریوں سے جو راستے وجود میں آتے ہیں ان کو بھی حبک کہتے ہیں، یہ تمام دھاریاں ایک خاص مقناطیسی طاقت کے ذریعہ تمام کرہ ارض سے نظام شمسی تک اور نظام شمسی سے کائنات کے دوسرے نظام سے جوڑنے اور

ملانے کے لیئے استعمال ہوتے ہیں، چند سال پہلے فزکس کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے The Fabric of the Cosmos، جس میں خلاء space کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ space ان دھاریوں سے بھرا پڑا ہے۔

کرہ ارض میں اس کے لیئے سبل (سورۃ النحل آیت 68 تا 69) کا لفظ استعمال ہوا، کرہ ارض سے سات ستاروں کے لیئے طرایق کا لفظ آیا، اور نظام شمسی سے دوسرے کائنات کے لیئے حبک کا لفظ استعمال ہوا، یہ اس لیئے کہ تمام مقناطیسی قوتیں، ان کی لہریں waves اور راستے الگ الگ نوعیت کے ہیں۔

جدید سائنس بھی تسلیم کرتی ہے کہ کائنات میں بہت سارے ایسے راستے موجود ہیں جن کے ذریعے کائنات کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں سیکنڈوں میں پہنچا جاسکتا ہے، سائنسی اصطلاح میں ان راستوں کو بلیک ہولز (black holes) کہا جاتا ہے۔

بلیک ہولز (Black Holes) کیا ہیں؟

فلکیاتی سائنس کے مطابق کائنات میں ایسے تاریک ستارے بھی موجود ہیں جو روشنی سمیت ہر چیز کو نگل جاتے ہیں، ان اژدھانما ستاروں کو بلیک ہولز کہتے ہیں، سائنسی تحقیقات کے مطابق بہت بڑا ستارہ اپنی طبعی عمر گزارنے کے بعد بلیک ہول بن جاتا ہے، اس کے مرکز میں شدید ترین کشش پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی کثافت بہت ہی زیادہ ہوتی ہے، کشش اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ پورے کا پورا ستارہ نگل جاتا ہے، بڑی بڑی کہکشائیں اس کی کشش کی وجہ سے اس کے گرد گھومنے پر مجبور ہیں۔

بلیک ہول کو کائنات کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے، جس سے گزر کر ایک کائنات سے دوسرے کائنات میں جایا جا سکتا ہے، یعنی ایک کہکشاں glaxy سے دوسرے کہکشاں تک۔ بلیک ہول کا ایک سرا چونکہ ایک کہکشاں میں ہوتا ہے اور دوسرا سرا دوسرے کہکشاں میں، تو اس کے ایک سرے کو پہلے کہکشاں کا قبرستان اور دوسرے سرے کو دوسرے کہکشاں کا میٹرنٹی کہا جا سکتا ہے، وہ اس لیئے کہ بلیک ہول کے ایک سرے پر لا تعداد سیارے اور ستارے اس ہول یعنی سوراخ میں دفن ہوتے ہیں اور دوسرے سرے پر دوسرے کہکشاں کے لیئے نئے ستارے اور سیارے نکل رہے ہوتے ہیں یا نئے گلیکسیز بن رہے ہوتے ہیں۔

بلیک ہولز ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس کی وجہ اس کی کثافت ہے جس کی وجہ سے اس کی gravity یعنی کشش ثقل بہت ہی زیادہ ہے، اس سے بچنے کے لیئے بہت ہی زیادہ ولاسٹی velocity کی ضرورت ہوتی ہے، روشنی سے بھی زیادہ ولاسٹی کی۔ کیونکہ بلیک ہول روشنی کو بھی ہضم کر لیتا ہے، زمین کے کشش ثقل سے بچنے کے لیئے 11.2 کلومیٹر فی سیکنڈ یا 25 ہزار میل فی گھنٹہ کی ولاسٹی درکار ہوتی ہے، اس کو اسکیپ ولاسٹی escape velocity یعنی بچ نکلنے کی ولاسٹی کہا جاتا ہے، چاند کی کیمیت زمین کی کیمیت سے کم ہے لہٰذہ چاند کی اسکیپ ولاسٹی زمین کی اسکیپ ولاسٹی سے کم ہے یعنی محض 2.4 کلومیٹر فی سیکنڈ، سورج کی اسکیپ ولاسٹی 617.5 کلومیٹر فی سیکنڈ ہے، روشنی کی رفتار ۳ لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے، لیکن بلیک ہول کی اسکیپ ولاسٹی روشنی کی رفتار سے بھی بہت زیادہ ہے اس وجہ سے بلیک ہول اندھیرے میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ (یہاں یہ بات طے ہے کہ نبی کریم ﷺ کی معراج پر جانے کی ولاسٹی بلیک ہول کی اسکیپ ولاسٹی سے کئی گنا زیادہ تھی)۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ کسی سیارے یا ستارے سے اگر کوئی جسم جتنا دور ہوتا جائے گا

اس کی gravity میں کمی آتی جائے گی، بلیک ہول سے دور ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں اسکیپ ولاسٹی ۳لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ رہ جاتی ہے اس مقام کو event horizon کہا جاتا ہے، کسی بھی سیارے یا ستارے کو جو بلیک ہول کی طرف کھینچی جارہی ہو اس مقام تک دیکھا جاسکتا ہے، اس مقام سے آگے نہیں، اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ان بلیک ہولز سے دودھ کے دھاروں جیسے سفید روشنی نکلتی ہے، اور اب یہ نظریۂ زور پکڑتا جارہا ہے کہ درحقیت یہ بلیک ہولز ایک گلیکسی سے دوسرے گلیکسی پر جانے کے راستے ہیں، عربی زبان میں راستے کو طریق کہتے ہیں اور اسی طریق سے لفظ طارق نکلا ہے، اور اسی نام سے منسوب سورۂ طارق میں یوں ارشاد ہوا ہے:

وَالسَّمَـاءِ وَالطَّـارِقِ ()وَمَـا أَدْرَاکَ مَا الطَّـارِقُ ()النَّـجْمُ الثَّـاقِبُ ()
(سورۃ الطارق، آیت 1-3)

''آسمان اور طارق کی قسم! اور تمہیں کیا معلوم کہ طارق کیا ہے؟ یہ وہ ستارہ ہے جو ثاقب ہے''۔

ثقب اور ثاقب عربی زبان میں آر پار سوراخ کو کہتے ہیں، اور طارق یا طریق راستہ کو کہا جاتا ہے۔ان آیات مبارکہ میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ یہ ستارے یا بلیک ہولز طارق یعنی راستے ہیں، دوسرا یہ کہ یہ راستے آر پار سوراخ میں نکلتے ہیں، جس میں دودھ کی طرح روشنی نکلتی ہے، بلیک ہولز یا طرائق حبک سے نیچے ہیں یعنی آسمانوں سے نیچے، آسمانوں کے درمیان آنے جانے کے راستوں کو حبک کہا جاتا ہے۔

اب اگر راستے یہی ہوں اور سواری براق کی ہو، اور سوار 'نور من نور الانوار' ہو، تو پھر کوئی سوچ سکتا ہے کہ معراج کی رات یہ سفر کتنی تیزی سے طے کیا گیا ہوگا، اب یہاں آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی اپلائی کرتے ہیں، پہلا نقطہ تو یہ ہے کہ مادے کو توانائی(energy) میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، دوسرا نقطہ یہ کہ یہ توانائی (انرجی) اتنی زیادہ مقدار میں پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی مادی جسم کی کیمیت کو روشنی کی رفتار کو خود سے ضرب دینے کے بعد ضرب دے دو، جو عدد حاصل ہوگی وہ اس انرجی کی مقدار ہے مثلاً ایک گرام مادے سے حاصل ہونے والی توانائی کی مقدار یہ ہوگی:

$$1g \times 30000000000 \times 30000000000 = 9 \times 10^{20} \text{ Erg}$$

Erg توانائی کی یونٹ ہے، اب اگر اس مقدار کو ہم joul میں تبدیل کر دیں (joul بھی توانائی کی اکائی ہے جو ایک واٹ بجلی کے برابر ہوتا ہے یعنی $1J = 2.777778 \times 10^{-7}$ kwh)

اور $1 \text{ Erg} = 1 \times 10^{-7}$ Jouls تو

$$9 \times 10^{20} \text{ Erg} = 1 \times 9 \times 10^{13} \text{ J} = 0.9 \times 10^{13} \text{ J} = 25000000 \text{ kw/hr}$$

اب یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ انسان صرف مادے سے نہیں بنا ہے بلکہ اس کے اندر 'روح' بھی ہے، روح بذات خود ایک انرجی ہے طاقت ہے، نور ہے، روشنی ہے، اب اگر یہ جسم یا مادہ روح کی طرح لطیف ہو جائے یعنی دونوں میں ایک پختہ ربط قائم ہو جائے تو یقیناً اس جسم سے جو انرجی خارج ہوگی تو وہ اس انرجی کے یونٹ سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو ایک گرام مادہ سے خارج ہوتی ہے۔

اس پوئنٹ کو دماغ میں رکھتے ہوئے سورۃ النجم (جس میں معراج کے واقعے کا ذکر ہے) کی

پہلی آیت پر بھی نظر ڈالتے ہیں:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى: ''قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہونے لگے''۔

ہے نا عجیب سی بات، ذکر معراج کے واقعے کا ہو رہا ہے اور قسم تارے کی کھائی جا رہی ہے، جو غروب ہو رہا ہے یعنی نیچے کی طرف آ رہا ہے، معاملہ ہے کیا؟ ابن عربیؒ نے سورۂ نجم کی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے، ''اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اترے''۔

یاد دہانی کے طور پر بتا دوں کہ ہم نے آئن سٹائن کی تھیوری میں پڑھا ہے کہ ''توانائی (energy) اور مادہ (matter) اصل میں ایک ہی چیز کی مختلف حالتیں ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں''، دراصل تارا ایک نور ہے، ایک روشنی ہے، ایک مادی جسم کی بات ہو رہی ہے جو خود سراپائے نور ہے، وہ ہستی تارے یا روشنی کی شکل میں آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور واپس بھی لایا جاتا ہے، وہ ہستی نہ صرف یہ کہ خود 'نور من نور الانوار' ہے بلکہ یہ بھی دیکھئے کہ کون لے کر جا رہا ہے، سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 1 ملاحظہ ہو:

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى:

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک''۔

اس آیت مبارکہ میں دو باتیں بہت ہی اہم ہیں ایک یہ کہ آیت میں لفظ 'عبد' آیا ہے، جسم اور روح اکھٹے ہوں تو 'عبد' کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے صرف جسم ہو یا صرف روح ہو تو پھر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو جسمانی طور پر آسمانوں پر لے جایا گیا تھا، جو

لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج صرف روحانی طور پر ہوا تھا اُن نام نہاد عقلیت پسندوں کے منہ پر یہ آیت ایک طمانچہ ہے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ لے جانے والی ہستی کون ہے، وہ اللہ جو 'سبحان' ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

''یعنی جو ہستی اس فعل (اسراء) کی فاعل حقیقی ہے وہ ''سُبّوح'' ذات ہے، اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو بات اور تھی، اگر یہ فعل حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضور ﷺ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی، لیکن وہاں صورت بالفعل یہ تھی '' کہ میں آیا نہیں، لایا گیا ہوں''۔ حضور ﷺ خود نہیں گئے لے جائے گئے تھے، اور لے جانے والی ذات کون ہے، **سُبْحَانَ الَّذِیٓ أَسْرَی بِعَبْدِهِ** . . ۔ جو پاک ہے ہر عیب سے، ہر نقص سے، ہر ضعف سے، ہر کوتاہی سے، ہر درماندگی سے۔ اور وہ ذات سُبّوح ہے، منزہ ہے، ارفع ہے، اعلیٰ ہے، بالاترین ہے''۔ (بحوالہ معراج النبی ﷺ، ص 17)

سورۃ الحجر آیت نمبر 14 تا 17 ملاحظہ فرمائیں:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَاباً مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ(لا) لَقَالُوٓا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ() وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجاً وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ(لا) وَحَفِظْنٰهَا مِن كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ(لا):

ترجمہ: ''اور اگر کہیں کھول دیتے ہم اُن پر کوئی دروازہ آسمان کا اور وہ دن دہاڑے اُس پر چڑھنے لگتے، تب بھی ضرور کہتے یہ لوگ کہ درحقیقت مخمور ہیں ہماری آنکھیں نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے، اور بے شک بنائے ہیں ہم نے آسمان میں بہت سے بُرج اور آراستہ کر دیا ہے اُنہیں

دیکھنے والوں کے لیئے اور محفوظ کر دیا ہے ہم نے اُنہیں ہر شیطان مردود سے“۔

ان آیات مبارکہ میں دو اہم چیزوں کا ذکر ہوا ہے جس کا تعلق ہمارے مضمون سے ہے ایک آسمان کی طرف دروازوں کا ذکر اور دوسرا برج اور راستوں کا ذکر موجود ہے، ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کائنات میں راستے اور برج بھی ہیں اور دروازے بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جن کے لیئے چاہے یہ دروازے کھول دیں، ایک اور اہم بات جو ان آیات میں موجود ہے وہ ہے دن دہاڑے اُوپر چڑھنا، یعنی اگر اللہ چاہے تو یہ اوپر چڑھنا لوگ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ سکتے ہیں، ہاں البتہ یہ کاروائی اتنی سپیڈ کے ساتھ ہوسکتی ہے کہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگ سکتا ہے اور دیکھنے والا یہ محسوس کرسکتا ہے جیسے بندہ غائب ہو گیا ہے۔

”برج عربی زبان میں قلعے، قصر اور مستحکم عمارت کو کہتے ہیں، قدیم علم ہیئت میں ”برج“ کا لفظ اصطلاحاً ان بارہ منزلوں کے لیئے استعمال ہوتا تھا جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا تھا، اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کا اشارہ انہی بروج کی طرف ہے، بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد سیارے لیئے ہیں، لیکن بعد کے مضمون پر غور کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے مراد عالم بالا کے وہ خطے ہیں جن میں سے ہر خطے کو نہایت مستحکم سرحدوں نے دوسرے خطے سے جدا کر رکھا ہے، اگر چہ یہ سرحدیں فضائے بسیط میں غیر مرئی طور پر کھچی ہوئی ہیں لیکن ان کو پار کر کے کسی چیز کا ایک خطے سے دوسرے خطے میں چلا جانا سخت مشکل ہے، اس مفہوم کے لحاظ سے ہم بروج کو محفوظ خطوں (Fortified Spheres) کی معنیٰ میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں“۔ (تفسیر مولانا مودودی صاحبؒ، سورۃ الحجر حاشیہ نمبر 8)

دوسری اہم بات یہ ہے ان آیات مبارکہ میں جنات کے اوپر چڑھنے کا ذکر ہوا ہے، تو اگر جنات اوپر چڑھ سکتے ہیں تو پھر انسان کیوں نہیں چڑھ سکتا؟ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ پہلے پہلے شیاطین کے آمد و رفت کے لیئے آسمان کے دروازے کھلے ہوتے تھے جبکہ اب پابندی کی وجہ سے صرف ان جگہوں تک جاسکتے ہیں جہاں پر فرشتوں کے چیک پوائنٹس ہیں، وہی سے ان کے اوپر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں، ان چیک پوائنٹس سے آگے یعنی عالم بالا تک شیاطین کی رسائی نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شیاطین پر عالم بالا میں جانے پر پابندی عائد ہے اس لیئے وہ وہاں نہیں جاسکتے، حالانکہ ان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ عالم بالا تک پہنچ جائے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جنات میں یہ صلاحیت کیوں ہے کہ وہ کائنات میں آسانی کے ساتھ حرکت کر سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَالجَآنَّ خَلَقنهُ مِن قَبلُ مِن نّارِ السَّمُومِ:(سورۃ الحجر، آیت نمبر 27)

''اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا''۔

''سموم گرم ہوا کو کہتے ہیں اور نار کو سموم کی طرف نسبت دینے کی صورت میں اس کے معنی آگ کے بجائے تیز حرارت کے ہو جاتے ہیں''۔ (تفسیر مودودی صاحبؒ، سورۃ الحجر حاشیہ نمبر 18)

وَخَلَقَ الجَآنَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ (ج):(سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر 15)

''اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا''۔

''اصل الفاظ ہیں 'مِن مَارِجٍ مِن نَّارٍ' نار سے مراد ایک خاص نوعیت کی آگ ہے نہ کہ وہ

آگ جولکڑی یا کوئلہ جلانے سے پیدا ہوتی ہے۔اس مارج کے معنی ہیں خالص شعلہ جس میں دھواں نہ ہو......مگر چونکہ وہ خالص آتشیں اجزاء سے مرکب ہیں اس لیئے وہ خاکی اجزاء سے بنے ہوئے انسانوں کونظر نہیں آتے......اسی طرح جنوں کا سریع الحرکت ہونا،ان کا بہ آسانی مختلف شکلیں اختیار کر لینا اوران مقامات پر غیر محسوس طریقے سے نفوذ کر جانا جہاں خاکی اجزاء سے بنی ہوئی چیزیں نفوذ نہیں کر سکتیں یا نفوذ کرتی ہیں تو ان کا نفوذ محسوس ہو جاتا ہے، یہ سب امور بھی اسی وجہ سے ممکن اور قابل فہم ہیں کہ وہ فی الاصل آتشیں مخلوق ہیں۔(تفسیر مودودی صاحبؒ،سورۃ الرحمٰن ،حاشیہ نمبر 15)

بات اب واضح ہے کہ چونکہ جنات کا اصل مادہ جس سے وہ پیدا کیئے گئے ہیں آگ کے شعلے (flame) کے اوپر والا وہ حصہ ہے جونظر نہیں آتا اور جس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے، یہ مادہ چونکہ مٹی کی نسبت زیادہ لطیف اور گرم ہے اس وجہ سے ان کی نقل وحرکت اور نفوذ وسرآیت آسان اور تیز ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آگ میں روشنی ہے اور روشنی میں تیزی ہے اس وجہ سے بھی جنات کی حرکت صرف آسان نہیں ہے بلکہ تیز بھی ہے، اس تیزی اور پھرتی کی ایک مثال سورۃ النمل آیت نمبر 93 میں بیان شدہ عفریت نامی جن کی ہے جنہوں نے حضرت سلیمانؑ کو یہ پیشکش کی تھی کہ وہ ملکہ بلقیس کا تخت دربار ختم ہونے سے پہلے لاسکتا ہے۔

یہ تو آگ کی روشنی اور حرارت کی حالت ہے تو ذرا سوچیئے کہ اُس نور کی حالت کیا ہوگی جس کا ذکر آیت زیر بحث میں آیا ہے، ایک مسلمان اس نور سے کتنا اور کس طرح مستفید ہوسکتا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں،''ہم کہتے ہیں کہ جو شئے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہے، اس چیز کی نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے، اس کا نام 'نور' رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں اور یہ خاصہ نبی کریم ﷺ میں پایا جاتا ہے، اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی چراغ ہیں

اور علماء بھی، لیکن ان میں اور اُن میں بڑا فرق ہے''۔(مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص406)

ایک عام مسلمان کے دل میں روح، ایمان، قرآن اور علم کے انوارات جمع ہو سکتے ہیں، جیسے جیسے ایک انسان تقویٰ میں آگے بڑھے گا اس کا روح جلا پائے گا ایمان کے نور میں اضافہ ہوگا، قرآن پڑھے گا یا حفظ کرے گا اور علم حاصل کرے گا تو سینہ نور سے بھر جائے گا، ایمان کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ لطافت آتا جائے گا اور کثافت جاتا رہے گا اور یہ ممکن ہے کہ جسمانی کثافت بالکل ختم ہو جائے اور لطافت غالب آجائے، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ روح اور جسم کا رشتہ اتنا مضبوط ہو جائے کہ جیسی حرکت روح کرے ویسی ہی حرکت جسم بھی کرے، یاد رہے کہ روح چونکہ نور ہے اس لیئے روح کی رفتار مادی روشنی کی رفتار سے کئی گنا زیادہ ہے، روح نفوذ کرے گا تو جسم بھی ساتھ نفوذ کرے گا، حضرت ذکریاؑ کا درخت میں نفوذ کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔

یہ تو وہ حالت تھی جو ایک عام مسلمان کے لیئے ممکن ہے، اب سردار انبیاء ﷺ کے ذاتِ اقدس کے انوارات کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ﷺ کے ذاتِ اقدس میں کتنے اور کون کون سے انوارات جمع تھیں اس کا ہمیں علم نہیں، لیکن صاحب ابریز علامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ کے مطابق آپ ﷺ کے ذات اقدس میں انوارات مندرجہ ذیل سات حروف پر جمع تھیں:

۱۔ حرف روح ۲۔ حرف نبوت ۳۔ حرف رسالت

۴۔ حرف علم ۵۔ حرف آدمیت ۶۔ حرف قبض

۷۔ حرف بسط

صاحب ابریز فرماتے ہیں،''اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کوانوارحق سے مستفیض کیا ہے، بعینہٖ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے جرم آفتاب کوانوارمحسوسہ سے نوازا ہے، لہٰذا جس طرح سورج کے لیئے نور ہونا ضروری ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ذات شریفہ کے لیئے بھی نور ہونا لازم ہے''۔(ابریز از علامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ، ترجمہ حزینہ معارف از ڈاکٹر پیرمحمد حسن صاحب، ص 134)

صاحب ابریزعلامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے نبی پاک ﷺ کے مندرجہ بالا انوارات کے متعلق جو کچھ اپنے مرشد غوثِ زمان حضرت عبدالعزیز دباغ مغربیؒ سے سنا تھا اور جس کا ذکر اُنہوں نے کتاب ابریز میں کیا ہے یہاں پر نقل کرنا چاہتا ہوں تا کہ ہمیں آپ ﷺ کے انوارات کا تھوڑا سا اندازہ ہوجائے۔

مندرجہ بالا سات حروف یا انوارات میں سے ہر ایک نور کے سات جزو ہیں اسی طرح یہ کل ملا کے 49 انوارات بنتے ہیں، مثلاً نبوت ایک نور ہے، اس کے ساتھ اجزاء ہیں سو وہ بھی انوارات ہیں، ملاحظہ ہو:

1۔ نورنبوت کے اجزاء

(ا) حق گوئی: یہ ایک نور ہے جس کی وجہ سے یہ انسان کی خصلت اور طبیعت بن جاتی ہے۔

(۲) صبر: یہ بھی نور ہے اور یہ جسم کو ان مصائب وآلام کا احساس نہیں ہونے دیتا جو اسے اللہ کی

خاطر پہنچیں، اور یہی حقیقی صبر ہوتا ہے۔

(۳) رحمت: یہ ذات کے اندر ایک نور ہے، جس کا تقاضا ہے کہ تمام مخلوقات پر رحم کھایا جائے اور یہ نور اس رحمت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو پہنچتی ہے، نبی کریم ﷺ کی رحمت کے برابر کسی اور کی رحمت نہیں ہے اور آپ ﷺ کی رحمت عظیم (رحمتہ اللعالمین) اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت عالم سفلی، عالم علوی اور اہل دنیا اور اہل آخرت سب پر عام ہے۔

(۴) معرفت الٰہی: یہ بھی نور ہے۔

(۵) خوف تام: یعنی کامل خوف خدا۔ یہ بھی نور ہے۔

(۶) بعض باطل: یہ اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہر وقت موجود ہوتا ہے۔

(۷) غفو: یہ بھی اس نور سے پیدا ہوتا ہے جو ذات کے اندر ہمیشہ موجود ہوتا ہے، اس نور کی طبیعت ہے کہ جو اُسے نقصان پہنچائے یہ اسے نفع پہنچاتا ہے، اور جو اس سے تعلقات منقطع کرے یہ اس سے تعلقات جوڑتا ہے، جو اس پر ظلم کرے یہ اس سے درگزر کرتا ہے، جو اس سے برائی کرے یہ اس سے نیکی کرتا ہے۔

2۔ نور بسط کے اجزاء

(۱) فرح کامل: یہ ایک نور باطن ہوتا ہے جس کے اندر بھی یہ پایا جائے تو یہ نور اس شخص کے دل سے کینہ، حسد، تکبر، بخل اور عداوت کو نکال دیتا ہے۔

(۲) سکون خیر فی الذات: یعنی ذات انسانی میں برائی کی بجائے نیکی کا ساکن ہونا ہے، یہ ایک نور ہے جسے حاصل ہو بھلائی اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

(۳) فتح حواس ظاہرہ: یہ ایک لذت ہوتی ہے جو حواس ظاہرہ میں حاصل ہوتی ہے، چنانچہ بصر (آنکھ) میں ایک لذت ہے جس کے ذریعے سے خوب صورت صورتوں کی طرف میلان حاصل ہوتا ہے، اور اسی سے اس چیز سے جسے دیکھ گیا ہو عشق اور انقطاع باطنی پیدا ہوتا ہے، اور سمع (کان) میں بھی ایک لذت ہے جس کی وجہ سے خوش آوازوں اور نغموں کو سن کر انکساری پیدا ہوتی ہے۔

(۴) فتح حواس باطنہ: جو امور فتح حواس ظاہرہ میں بیان ہوئے ہیں وہ امور یہاں بھی اسی طرح جاری رہتے ہیں لیکن اثر پذیری باطنی طور ہوگی۔

(۵) مقام رفعت: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ میں کتنی قوتیں ودیعت فرمائی تھیں اور آپ ﷺ کا رب کے نزدیک کیا مقام اور کیا رتبہ ہے اس کا علم حاصل ہونا مراد ہے۔

(۶) حُسنِ تجاوز: اگر کوئی شخص بُرا برتاؤ کرے اور ظلم کرے پھر بھی اس کے ساتھ درگزر کرنا اور اس کو معاف کرنا اس نور کی خوبی ہے۔

(۷) بزم خوئی و تواضع: مرتبہ بلند ہونے کی وجہ سے انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے، لیکن نور بسط والے اپنے ہم جنسوں اور رفیقوں کے ساتھ تواضع اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔

3۔ روح کے اجزاء

(۱) ذوق الانوار: یہ نور روح کے اندر جاری وساری ہوتا ہے جس کی وجہ سے روح اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کو کائنات میں اوران انوار میں چکھتی ہے جو عالم علوی میں موجود ہوتے ہیں، اس اندازے سے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ارواح اگر چہ ذوق میں مساوی ہیں لیکن وہ قوت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف ہیں، سب سے قوی وہ روح ہے جس کا ذوق عرش، فرش اور دیگر عوالم کو چیر کر نکل جائے اور یہ طاقت آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کو ہی حاصل ہے کیونکہ آپ ﷺ کی روح سلطان الارواح ہے، اور یہ روح آپ ﷺ کے جسم مبارک میں رضا، محبت اور قبول کی طرح ساکن ہو چکی ہے، اور دونوں کے درمیان سے حجاب بھی اُٹھ چکا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کی روح مقدس کا ذوق آپ ﷺ کے کمال کے مطابق ہے اور آپ ﷺ کے طاہر ترابی جسم کا عوالم کو چیر کر نکل جانا ثابت ہے اور یہی وہ کمال ہے جس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ہوسکتا۔

(۲) طہارت: طہارت سے مراد روح کی وہ صفائی ہے جس پر یہ پیدا کی گئی ہے، روح ایک نور ہے اور نور انتہائی درجے کا صاف اور پاک ہوتا ہے، لیکن معنوی لحاظ سے اس سے مراد معرفت باطنی اور معرفت ظاہری کا امتزاج (آپس میں مل جانا) ہے، یعنی جس پر اللہ کی عنایت ہو جائے تو اس کے لیئے باطن بھی ظاہر کی طرح ہو جاتا ہے اور یہی معرفت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

(۳) تمییز: اس کا مطلب ہے کسی چیز کا تمیز کرنا، پہچاننا، پرکھنا، اور یہ روح میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے جس کی مدد سے روح اشیاء کی حقیقت کو کامل طور پر پہچان لیتی ہے۔

(۴) بصیرت: اس سے مراد تمام اجزاء روح میں فہم کا اس طرح سرایت کرنا ہے جس طرح تمام

حواس روح میں سرایت کیئے ہوئے ہیں، چنانچہ علم تمام اجزاء میں قائم ہیں اور بصر بھی تمام اجزاء میں موجود ہے یہی حال باقی حواس کا ہے۔ لہٰذہ جب روح ذات سے محبت رکھتی ہے اور ان دونوں کے درمیان حجاب اُٹھ جائے تو وہ اسے اس بصیرت سے مدد دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شان روح کی ہوتی ہے وہی جسم کی ہو جاتی ہے، چنانچہ جب بچپن میں ملائکہ نے آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا تو اُس وقت سے آپ ﷺ کی روح اور ذات کے درمیان اتحاد ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کی ذات مبارک اُن اُمور پر مطلع ہو گئی تھی جن پر آپ ﷺ کی روح مطلع تھی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ سکتے تھے جس طرح سامنے سے، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''اپنے رکوع اور سجود کو ٹھیک ادا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے'' (مشکوٰۃ باب الرکوع، ص 82) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) <u>عدم غفلت</u>: یعنی علم کے حصول میں روح کو نہ سہو پیش آتی ہے نہ غفلت اور نہ نسیان، اور روح کے لیئے حصول معلومات تدریجی نہیں ہے بلکہ یہ اسے ایک ہی نظر میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور نہ اس کا علم ایسا ہوتا ہے کہ اگر ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری سے غافل ہو جائے، اور یہ وصف ہر روح میں موجود ہوتا ہے صرف مقدار علم میں فرق ہوتا ہے، بعض کے علوم قلیل ہوتے ہیں، بعض کے کثیر اور سب سے زیادہ علم والی اور سب سے زیادہ قوی نظر والی روح آنحضرت ﷺ کی روح ہے۔

(۶) <u>قوت سریان</u>: اللہ تعالیٰ نے روح کو طاقت دی ہے کہ وہ اجرام کو پھاڑ کر اُن میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ پہاڑوں، پتھروں، چٹانوں اور دیواروں کو پھاڑ کر ان میں گھس جاتی ہے، اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے، اور اگر روح اور ذات میں محبت پیدا ہو جائے تو روح اس قوت سے ذات کی مدد کرتی ہے اور ذات وہی کام کرنے لگ جاتی ہے جو روح کرتی ہے، جیسا کہ یحییٰ علیہ

السلام کا جسم جرم درخت کو پھاڑ کر اس کے اندر گھس گیا تھا۔اسی طرح اولیاء کرام میں بھی یہی قوت پائی جاتی ہے، واقعہ معراج بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ تھوڑی سی مدت کے اندر جہاں پہنچے، پہنچے اور پھر واپس بھی آ گئے اور یہ سب کچھ روح کا کام تھا کہ اس نے اپنی سرایت کرنے والی قوت سے جسم کی مدد کی۔ واللہ اعلم

(۷) <u>مؤلمات اجرام کا عدم احساس</u>: یعنی جسم کو دکھ دینے والی اشیاء کا احساس نہ کرنا مثلاً پیاس، گرمی اور سردی وغیرہ کیونکہ روح تو ان میں سے کسی چیز کو محسوس نہیں کرتی چنانچہ اس کے نزدیک بھوک، پیاس، گرمی۔ سردی کوئی چیز نہیں۔

4۔ <u>**نور علم کے اجزاء**</u>: (علم سے مراد علم کامل ہے، اور علم نور عقل ہے، اور عقل نور روح ہے، اور روح نور نبوت ہے)۔

(۱) <u>معلومات کا بار اُٹھانا</u>: یہ علم کے اندر ایک نور ہے، نور علم میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ذات کے ہوتا ہے اور بصر (آنکھ) میں اشیاء کا حصول بمنزلہ ظل اور خیال کے ہوتا ہے، نور علم میں ادراک حقیقی ہوتا ہے اور بصر میں خیالی۔ لیکن لوگوں میں اس کے برعکس مشہور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں نور علم بہت کم ہوتا ہے، اس لیئے وہ حواس پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔

(۲) <u>ضائع نہ کرنا</u>: یہ ایک نور ہے جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس کے معلومات صرف مستحق تک پہنچیں، لہٰذہ اُسے نااہل لوگوں تک پہنچنے سے محفوظ رکھتا ہے، یعنی پاک علم پاک لوگوں کے پاس جائے گا اور ناپاک علم ناپاک لوگوں کے پاس۔

(۳) زبانوں اور حیوانات اور جمادات کی آوازوں کی معرفت: یعنی معرفت لغات واصوات، کامل علم والا انسان ان سب زبانوں اور آوازوں کو جانتا ہے، مثلاً انسانوں کی زبانیں اور چرند و پرند کی بولیاں، اسی طرح جمادات یعنی پانی کی سرسراہٹ، دروازے کی کھڑکھڑاہٹ وغیرہ مسند احمد کی ایک حدیث شریف میں ایک واقعے کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ایک اونٹ آپ ﷺ کے سامنے بلبلانے لگا تو آپ ﷺ نے اونٹ کے مالک سے فرمایا کہ اونٹ نے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم ڈالتے ہو۔ (مسند امام احمد بن حنبلؒ 170,173/4)

(۴) انجام سے واقفیت: معرفت انجام ایک نور ہے، یعنی کسی بھی چیز کا انجام کب، کیسے اور کیا ہو گا وغیرہ

(۵) اُن علوم کی معرفت جن کا تعلق انسانوں اور جنوں سے ہے: یہ بہت سے علوم ہیں یعنی اُن اسباب کی معرفت جن پر اُن کی زندگی ظاہری اور باطنی کا بقاء موقوف ہے مثلاً علم معاشیات، علم ادب اور علم سیاسیات۔ اس کے علاوہ باطنی معاش کا علم وہ ہے جو بندے کو رب سے ملا دے، ان میں شریعتوں کا جاننا، ان کے انوار اور ان کے اسرار کا جاننا شامل ہے۔

(۶) اُن علوم کی معرفت جن کا تعلق کونین کے احوال کے ساتھ ہے: یعنی فلکیاتی سائنس کا علم، سیاروں اور ستاروں، اور دوسرے فلکیاتی اجرام سے متعلق علم اس میں شامل ہے، کونین میں پورا کائنات یعنی عالم علوی ور عالم سفلی دونوں شامل ہیں، ان علوم میں سب سے اہم علم فزکس کا ہے، اس میں مادی اشیاء کی امتیازی خاصیتوں کا علم، ان میں نفع رساں اور ضرر رساں اشیاء کا علم، ان قوتوں کا علم اور ان قوتوں میں ان کے تمام افراد کے اختلاف کا علم بھی شامل ہے۔

(۷) <u>جہات کا ایک جہت میں محصور ہوجانا</u>: تمام اطراف کو یعنی دائیں بائیں اوپر نیچے کو ایک ہی جہت میں یعنی سامنے کی طرف میں دیکھنا ہے اور یہ علم ایک نور ہے جسے تمام جہات میں اشیاء کا ادراک کرنا ہے۔

5۔ <u>نور رسالت کے اجزاء</u>

(۱) <u>روح کا جسم میں برضا ورغبت قیام</u>: پاکیزہ اجسام کے اندر وہ نور ہوتے ہیں جو ایمان باللہ سے فیضیاب ہوتے ہیں، انہی انوار کی قلت و کثرت کے مطابق جسم میں نور کا قیام قوی ہوتا ہے یا ضعیف، کیونکہ نور بہ نسبت روح کے زیادہ مائل ہوتا ہے اور ارواح بھی نور ہی میں سے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ نور ایمان کو کسی ذات میں دیکھتی ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوتی ہے، اور اس سے لذّت پاتی ہے۔

(۲) <u>علم کامل</u>: علم غیباً ہو یا شہادۃً دونوں شامل ہیں یعنی علم غیب کا ہو خواہ موجود اشیاء کا، اور علم غیب سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت سے ہے، اور علم شہادت سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق مخلوقات سے ہے، لہٰذہ اس میں وہ عُلوم جن کا تعلق جّن وانس کے احوال سے ہے اور وہ عُلوم جن کا تعلق احوال کونین سے ہے اور وہ عُلوم جن کا تعلق احوال عاقبت سے ہے سب شامل ہوں گے۔

(۳) <u>صدق</u>: یعنی ہر ایک کے ساتھ قول وفعل میں سچائی کرنا، اس طرح کہ افعال واقوال اللہ کی خوشنودی اور محبت کے مطابق ہوں، صدق میں قول حق کے مقابلے میں زیادہ نور ہوتا ہے۔

(۴) <u>سکینہ ووقار</u>: یہ دل میں ایک نور ہے جو صاحب نور کے لیئے ضروری کر دیتا ہے کہ اس کا اللہ

پر اطمینان اور اعتماد ہو اور یہ کہ وہ ہر قسم کی قوت اور طاقت اللہ کی طرف پھیرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی پروانہ کرے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ صاحب سکینہ اور وقار کو کسی امر کا لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے اور تمام دنیا کے لوگ اس معاملے میں اُس کی مخالفت اور دشمنی کا ارادہ کر لیں تو وہ ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے، بلکہ اُن کو کالعدم سمجھے اور اس کے نزدیک اُن کا دوستی کرنا، محبت کرنا اور مدد کرنا سب یکساں ہوں کیونکہ اُس کے نزدیک تو انہیں مخالفت یا موافقت کرنے کی طاقت ہی نہیں۔

(۵) مشاہدہ کاملہ: اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ عقول کی دسترس سے باہر ہے۔

(۶) زندگی میں موت: یعنی اپنی زندگی کے احوال کا مشاہدہ اسی طرح کرنا جس طرح مردے اپنی موت کے بعد کریں گے، رسول چونکہ ترغیب و ترہیب کی غرض سے بھیجا جاتا ہے تو ترغیب و ترہیب وہی شخص کر سکتا ہے جو آخرت کے احوال کا مشاہدہ کر رہا ہو، لہٰذہ وہ جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب لوگوں کو دے سکے گا اور دوزخ سے بچنے کے لیئے لوگوں کو ڈرا سکے گا۔

(۷) جنتیوں کی سی زندگی بسر کرنا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات رسول علیہ السلام انہی انوار سے سیراب ہو جن سے اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد سیراب ہوں گے، لہٰذہ مرسلین علیہم السلام کی ذات ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنتی کی جنت میں۔ یعنی مرسلین علیہم السلام کے لیئے دنیا و آخرت (دارالبقاء و دارفنا) کے درمیان حجاب زائل ہو چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ صلوٰۃ الکسوف (9) میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ کسوف پڑھی اور فارغ ہونے پر صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹ گئے، فرمایا میں جنت میں تھا اور چاہا کہ انگور کا ایک خوشہ تمہارے لیئے توڑلوں، پھر دوزخ دیکھی اور باقی حدیث بیان کی۔

6۔ آدمیت کے اجزاء

(۱) ظاہری صورت کا کمال حُسن: چہرہ، ہاتھ، پاؤں، انگلیاں اور باقی تمام اجزاء اور ظاہری اوصاف نہایت عمدہ اور خوبصورت ہوں۔

(۲) جسم کے ظاہری منافع کا کمال: یعنی حواس خمسہ کمال کی ہو،قوت سماع، بینائی،قوت شامہ، ذوق لمس،اس کے علاوہ آواز اور اُن کے حروف کا تلفظ بھی حد کمال اور فصاحت و بلاغت تک پہنچ چکے ہوں۔

(۳) صورت باطنیہ کا کمال حُسن: یعنی دل،جگر، دماغ، رگیں وغیرہ بہترین شکل اور بہترین حالت اور کمال پر ہوں۔

(۴) حُسن باطنی کا کمال: یعنی لذت وحسن کی جو کیفیت اسے حاصل ہو وہ کمال پر ہو۔

(۵) ذکوریت: یعنی نر ہونا آدمیت کا کمال ہے،اس لیئے کہ اس میں فعل (دوسرے پر اثر کرنیکا) کا راز پایا جاتا ہے،اور انوثیت میں (مادہ ہونا) انفعال (اثر قبول کرنے) کا راز ہوتا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے لیئے پیدا کیا اور باقی تمام چیزوں کو آدمؑ کے لیئے پیدا کیا اور ان میں عورتیں بھی شامل ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو آدم کے لیئے پیدا کیا تو اسے فعل کا راز بھی عطا کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت کو قیامت تک آپ کی نرینہ اولاد میں مقرر فرمایا۔

(۶) جسم انسانی سے شیطانی حصہ نکال دینا: اس سے آدمیت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ

ملائکہ نے آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک شق کیا اوراس میں سے جو نکالنا تھا نکالا اور پھر جس چیز سے دھونا تھا دھویا اوراسے ایمان وحکمت سے بھر دیا۔

(۷) کمال عقل: اس طرح کہ عقل انتہا درجہ کی صاف اور معرفت میں کمال تک پہنچتی ہو۔ آدمیت کے اجزاء اپنے انتہائی کمال میں آنحضرت ﷺ کی ذات کے سوا کسی اور میں نہیں پائے گئے۔

7۔ نور قبض کے اجزاء

(۱) حاسّہ (محسوس کرنے کی قوت): یہ ذات انسانی کے تمام جواہر میں پھیلا ہوا ہے، جس کے ذریعے سے ذات انسانی اپنے تمام جواہر میں خیر سے لذّت حاصل کرتی ہے، بعینہٖ اسی طرح جس طرح انسان شہد کی مٹھاس سے لذّت حاصل کرتا ہے، اور اسی کے ذریعہ سے ذات انسانی کو اپنے تمام جواہر میں تکلیف پہنچتی ہیں جیسے کڑوا چیز کھانے سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

(۲) انصاف (۳) ضد سے نفرت (۴) حق بات کہنے سے نہ شرمانا

(۵) تعمیل احکام (۶) میل الی الجنس (۷) کمال گرفت

یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور نے خصائل نبوت کو اس اکمل طریقہ پر حاصل نہیں کیا جس سے اوپر کوئی کمال نہیں ہوسکتا، اس کا سبب یہ ہے کہ آدمیت، قبض اور بسط کی خصلتیں کسی ذات میں اس کمال تک نہیں پہنچیں جس حد تک آپ ﷺ کی ذات میں پہنچی تھیں۔

یہ بحث ایک حدیث شریف پر ختم کرتا ہوں۔ احادیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کی ایک

دعا اس طرح نقل ہے:

''اے اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے، اور میری آنکھوں میں اور میرے کانوں میں نور بھر دے، اور میری دائیں طرف نور کر دے اور میری بائیں طرف نور کر دے، اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے اور میرے پیچھے نور کر دے، اور میرے لیئے نور کو عظیم کر دے''۔ (بروایت حضرت ابن عباسؓ، صحیح بخاری 6316، صحیح مسلم 1786، 1794، 1795، 1797، 1799)

اس ضمن میں سائنسی نظریات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ عقلیت پسندوں کو یہ بتانا ہے کہ جن چیزوں کا تم عقل یعنی سائنس کی بنیاد پر انکار کرتے ہو وہ دراصل سائنسی طور پر بھی ممکن ہیں، کل کا فزکس آج لطیف ہو کر میٹا فزکس میں تبدیل ہو گیا ہے، اور میٹا فزکس کو تصوف کی ایک شاخ سمجھ لو، خاص کر کوانٹم تھیوری یعنی نظریۂ مقادیر برقیات (Quantum Mechanics) کو، جس نے سائنس کی دنیا میں ایک ہلچل مچا دیا ہے، ہائزنبرگ (Heizenberg) کا ''اُصول غیر یقینی'' (Law of Uncertainity) بہت اہمیت کا حامل ہے، جو بتاتا ہے کہ آپ کسی ذرے (electron etc) کا مقام (location) اور معیار حرکت (momentum) ایک وقت میں معلوم نہیں کر سکتے، اس میں کچھ غیر یقینیت پائی جاتی ہے۔

کلاسیکل فزکس اور کوانٹم فزکس کے اُصولوں میں بہت زیادہ فرق ہے، مثال کے طور پر مشہور سائنسدان 'ڈی بروئے' (De Broglie) نے اپنے Ph.D تھیسیس میں یہ نظریہ پیش کیا کہ ''ہر چیز کی طبعی نوعیت (nature) دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ذرات (particles form) کی شکل میں اور دوسرا لہروں (waves form) کی شکل میں''۔ آئن سٹائن نے بھی اپنے تجربات سے یہ ثابت کیا

تھا کہ روشنی کی طبعی نوعیت دوہری(dual nature) ہے، ایک particles کی شکل میں، جن کو photons کہا جاتا ہے اور دوسرا لہروں waves کی شکل میں۔

ہائزنبرگ (Heizenberg) کے قانون کے مطابق ذرات یعنی photon یا particles شکل میں چیزوں کو locate کرنا یعنی ان کا مقام معلوم کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ یقینی ہوتا ہے، جبکہ لہروں کی شکل میں چیزوں کا مقام معلوم کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

ڈی بروئے کے مطابق کسی بھی چیز کا طول موج (wavelenght) اور حرکت کا معیار اثر (momentum) متناسب (inversely proportion) ہوتے ہیں اگر طول موج wavelenght بڑی ہوگی تو momentum اس کا کم ہوگا، اور اگر wavelenght چھوٹی ہو گی تو momentum زیادہ ہوگا۔

ہائزنبرگ(Heizenberg) کے قانون 'اصول غیر یقینی' کے مطابق اگر الیکٹران کی لوکیشن معلوم کرنے کے لیئے اس پر روشنی کی بیم (شعاع) ڈالی جائے، تو روشنی چونکہ photons یعنی انرجی کے پیکٹ کے شکل میں ہوتی ہے تو بوہر Bohar کے قانون کے مطابق اس الیکٹران کو انرجی ملے گی اور وہ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائے گا، چھلانگ لگانے کی وجہ سے اس الیکٹران کی ولاسٹی بڑھے گی اور ولاسٹی کے بڑھنے کے ساتھ مومینٹم بڑھے گا، جس کی وجہ سے ہم اس الیکٹران کا قرار واقعی جگہ اور مومینٹم معلوم نہیں کر سکتے۔

اس اہم بات کو ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب مرحوم نے ہمیں اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں، ''subatomic level (زیر جوہری سطح) پر مادہ اپنی یقین کے ساتھ کسی خاص مقام

پر نہیں ہوتا، بس ہونے کا ایک میلان سا ہوتا ہے، رجحان سا ہوتا ہے، بس ایک احتمال کی سی صورت ہوتی ہے، probability کی mathematical quantities اور ریاضیاتی رقم میں 'احتمال' ایک موج (wave) بن جاتی ہے، اصل موج نہیں، آواز کی لہر یا پانی کی موج، بس ایک خیالی سی موج''۔(من چلے کا سودا از ڈاکٹر اشفاق احمد)

اس بحث سے ہمیں تین اہم باتوں کا پتہ چلا ہے:

(ا) روشنی (نور) کی طرح ہر چیز دوہری فطرت dual nature رکھتا ہے، ایک ذرات کی شکل میں یعنی photons اور دوسرا لہر یعنی wave کی شکل میں۔ یعنی اس کائنات میں ہر چیز کے وجود کے ساتھ لہر (wave) منسلک ہے، لہر نور ہی کا ایک حصہ ہے یا ایک جز ہے یا ایک قسم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں موجود ہر چیز میں حرکت اور زندگی اسی لہر یا نور ہی کہ وجہ سے ہے۔

(۲) ہر چیز کی بنیاد میں یعنی زیرایٹمی سطح پر غیر یقینیت پائی جاتی ہے، ہم ایک وقت میں آئٹم کی پوزیشن اور رفتار معلوم نہیں کر سکتے۔

(۳) روشنی (نور) کے پڑنے سے مادہ انرجی حاصل کرتی ہے۔(تفصیل طلب ہے)

اب معراج کے واقعے کی طرف دوبارہ آتے ہیں۔

آئن سٹائن کی فزکس کی لاز (قوانین) کے مطابق ہم ماضی میں بھی جا سکتے ہیں اور مستقبل میں بھی جا سکتے ہیں، لیکن ٹائم کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہوتا، آئن سٹائن یہ کہتا ہے کہ فاصلہ کم یا زیادہ

ہونے کی وجہ سے ٹائم ایک جیسا نہیں رہتا، اگر کوئی ہم سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے تو ہمارا ٹائم اور اس کا ٹائم ایک ہوسکتا ہے یعنی ہمارا 'حال' یا 'ابھی' (Now) اس کا 'حال' (Now) ہوگا، لیکن اگر وہ ہم سے دور بھاگنا شروع کردے اور یہ حرکت بہت ہی تیز رفتاری (نوری رفتار) کے ساتھ ہو تو اب جب وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گا تو وہ ہمارے مستقبل کی طرف دیکھے گا۔ اور اگر وہی جسم ہماری طرف تیز رفتاری (نوری رفتار) کے ساتھ حرکت کرنا شروع کردے تو پھر وہ ہماری ماضی کی طرف دیکھے گا۔

آج کی سائنس میں یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ کوئی ماضی یا مستقبل میں جاسکتا ہے، فزکس کی رو سے یہ ممکن ہے لیکن چیزوں کی بگاڑ (entropy) بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہوتا، مثال کے طور پر اگر ہمارے ہاتھ سے ایک کپ گر کر ٹوٹتا ہے تو عام حالات میں اس کا واپس جوڑنا یعنی ماضی میں واپس جانا مشکل ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کپ کے صرف چار ہی آئٹمز ہوں تو اس کے کل شکلیں یا حالتیں (states) سولہ (16) ہوں گی، ایک اس کپ کی اپنی حالت اور پندرہ دوسری حالتیں، یعنی اس کپ کے جوڑنے کے امکانات (probabilities) $^{1}/_{16}$ ہوگی، اور اگر کسی چیز کی آئٹمز کروڑوں میں ہوں تو اس کے جوڑنے کے امکانات بھی کروڑوں میں ہوں گی جو عام طور پر ناممکن ہی ہوتا ہے، اس لیئے ہمیں ماضی میں جانا محسوس نہیں ہوتا۔

کائناتی پس منظری شعاعیں (cosmic background radiation)

بات چونکہ نور کی ایک شکل جس کو ہم عرف عام میں روشنی کہتے ہیں کی ہو رہی ہے اس لیئے ضروری سمجھتا ہوں کہ کائناتی پس منظری شعاعوں کا ذکر بھی یہاں ذکر ہو جائے تاکہ اس کائنات میں روشنی کی اہمیت واضح ہو جائے۔

سائنس میں کائنات کی تخلیق کے لیئے 'بگ بینگ'(big bang) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، اس نظریے کے مطابق کائنات صفر حجم کے نقطۂ واحد کے پھٹنے سے وجود میں آئی تھی، یہ واحد نقطۂ صفر حجم اور 'لا انتہا کثافت' کا حامل تھا، اس نقطۂ واحد میں سارے کائنات کا مادہ جمع تھا، لیکن یاد رہے کہ سائنس میں جب صفر حجم کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے بغیر کسی حجم کے نقطۂ یعنی جب کسی نقطۂ کا حجم ہی موجود نہیں تو اصلاً اس کا مطلب ہے کہ نقطۂ جو درحقیقت موجود نہیں، چنانچہ اس نظریے کی رو سے کائنات 'لاوجود' سے 'وجود' میں لائی گئی تھی۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از یحییٰ ہارون، صفحہ 13)

1948 میں جاج گیمو نامی سائنسدان نے بگ بینگ کے متعلق ایک نیا نظریۂ پیش کیا، کہ بیگ بینگ سے کائنات بنتے وقت توانائی کی ایک فاضل مقدار شعاعوں کی صورت بچ نکلنا چاہیئے تھی اور اس کو پوری کائنات میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہونا چاہیئے، یہ ثبوت بالآخر 1965 میں آرنو پینیز یز (arno penaizs) اور رابرٹ ولسن (robert wilson) نے دریافت کر لیں، ان شعاعوں کو 'کائناتی پس منظری شعاعوں' کا نام دیا گیا۔ یہ شعاعیں اُن شعاعوں سے خصوصیات میں مختلف تھیں جو کائنات کی کسی خاص سمت سے زمین کی طرف آتی ہیں، یہ شعاعیں زمین سے باہر کسی خاص منبع سے خارج نہیں ہو رہی تھیں بلکہ تمام اطراف سے یکساں شدت کے ساتھ زمین پر پہنچ رہی تھیں، اور یہ کہا گیا کہ یہ شعاعیں دراصل بگ بینگ کی باقیات ہیں، بعد میں ناسا(NASA) نے بھی ان شعاعوں کی تصدیق کی۔

اب واپس آتے ہیں آیت زیر بحث کی طرف۔ یہ آیت مبارکہ قرآن پاک کے مشکل ترین آیات میں سے ایک ہے، نور عربی زبان کا لفظ ہے اور نور کے معانی ہے روشنی کو منعکس کرنا یا منعکس

شدہ روشنی کو بھی نور کہا جاتا ہے، کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے کہ یہ مادی روشنی ہے جیسے سورج کی روشنی وغیرہ، اور کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی لگ جاتی ہے کہ اگر نور منعکس روشنی کو کہا جاتا ہے تو کیا نور اللہ کی اپنی نہیں ہے اور کسی اور منبع سے یہ نور منعکس ہو کر آتی ہے، اس اعتراض اور غلط فہمی کا جواب اس آیت مبارکہ زیر بحث ہی میں موجود ہے، جب فرمایا کہ اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط ''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' تو آگے مثال بیان فرمایا مَثَلُ نُورِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط ''اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ رکھا ہو، اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو'' تو اس مثال سے خود بخود یہ ثابت ہو گیا کہ یہ وہ روشنی ہے جو کسی اور منبع سے نہیں ہے بلکہ خود اللہ کی ذات مبارک سے ہے یعنی روشنی بھی خود کی ہے اور منعکس بھی خود ہی کر رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس نور سے مراد صرف روشنی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہدایت اور رہنمائی ہے، اور نور سے مراد قرآن ہے، روشنی چونکہ واسطۂ ظہور بنتا ہے یعنی چیزوں کے دکھنے کے کام آتی ہے اور اندھیرے میں ہم کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں، اس لیئے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اندھیروں میں بھٹک رہا ہے تو اس سے مراد اس کی گمراہی ہوتی ہے، اور اگر کسی کے لیئے کہا جائے کہ وہ اندھیروں سے روشنی میں آ گیا تو مطلب ہوتا ہے کہ ہدایت پا گیا۔

جب روشنی آ جائے تو ہر شئی نظر آ جاتی ہے، اس لیئے جب فرمایا اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْض: تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ھادی نے ہر شئی پیدا کرنے کے بعد اُن کو اپنا راستہ سمجھا دیا۔ سورج اپنے راستے پر جا رہا ہے، زمین اپنے مدار میں گھوم رہی ہے اور چاند کا اپنا راستہ مقرر ہے، موسیٰؑ سے جب پوچھا گیا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کی ہئیت دی ہے اور ہر شئی کو اپنا راستہ دکھایا ہے۔

اگر نور سے مراد دنیاوی روشنی لی جائے جو دیکھنے کے کام آتی ہے تو دنیا میں تو کافر زیادہ روشنیوں میں جی رہے ہیں، لوڈ شیڈنگ تو مسلمان کے ہاں ہو رہی ہے، کفار کی تو راتیں بھی دن سے زیادہ روشن اور چمک دمک والے ہیں، اسی طرح بالفرض ایک گاڑی آ رہی ہے ایک آدمی نے (روشنی ہی کی وجہ سے) دیکھ لی کہ گاڑی آ رہی ہے اور سائیڈ پہ ہو جاتا ہے اور اپنی جان بچا لیتا ہے، ایک کتے نے بھی دیکھ لیا کہ گاڑی آ رہی ہے وہ بھی سائیڈ پہ ہو کر جان بچا لیتا ہے، فرق کیا ہوا؟ کتے اور انسان میں فرق کیا ہوا؟ انسان نے بھی اس روشنی سے وہی فائدہ اُٹھایا جو کتے نے اُٹھایا۔

تو اصل بات یہ ہے کہ نور وہ روشنی نہیں ہے جس سے ہم مادی اشیاء دیکھتے ہیں بلکہ نور ہمیں باطنی بصیرت سے روشناس کراتا ہے، ہمیں اشیاء کی حقیقت دکھانے والی ہے، ایک دیکھنا آنکھوں کا ہے اور ایک سننا کانوں کا ہے، یہ دیکھنا اور سننا ظاہری ہے، مادی ہے، حیوانی ہے، ایک کتا بھی دیکھ اور سن سکتا ہے اور ایک انسان بھی دیکھ اور سن سکتا ہے، اور ایک دیکھنا دل کا ہے اور سننا دل کا ہے، یہ باطنی ہے، یہ روحانی ہے، یہ لطیف روحانی حقیقت ہے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر 157 میں ارشاد ہوا ہے، ''وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِیَ أُنزِلَ مَعَهُ لا أُوْلَـٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُون ''... ''اور اتباع کریں گے اس نور (قرآن) کی جو نازل کیا گیا ہے اُس کے ساتھ یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ''اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُواْ لا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَی النُّوُرِ ہط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوٓاْ أَوْلِیَآئُهُمُ الطَّاغُوتُ لا یُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَی الظُّلُمٰتِ ط أُوْلَـٰئِکَ أَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُون ..... ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے اُن کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور کافروں کے دوست طاغوت ہیں جو اُن کو روشنیوں سے نکالتے ہیں تاریکیوں کی طرف۔ یہی لوگ ہیں اہل دوزخ، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ ان دونوں آیات میں بھی نور کا لفظ استعمال ہوا ہے جسکا مطلب ہے قرآن اور ہدایت۔

<u>مزید حوالاجات</u>:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَاراً ج فَلَمَّا أَضَآءَ تْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ () :(سورۃ البقرہ، آیت 17)

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، جو نہیں دیکھتے''

اس آیت مبارکہ میں نور سے مراد نور بصیرت اور نور حق ہے اور آگ جلانے سے مراد حق کو باطل سے، صحیح کو غلط سے اور راہ راست کو گمراہیوں سے الگ کرنے کے ہے۔

يٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيناً :(سورۃ النساء، آیت 174)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اُتار دیا ہے''۔ ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

قَدْ جَاء كُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ:(سورۃ المائدہ، آیت 15)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے''۔

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ:(سورۃ المائدہ،آیت16)

''جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی راہبری کرتا ہے''۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ:(سورۃ المائدہ،آیت44)

''ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت ونور ہے''۔

وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ:(سورۃ المائدہ،آیت46)

''اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے''۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ:(سورۃ الانعام،آیت1)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں''۔اس آیت مبارکہ میں ظلمات اور نور سے مراد دن اور رات ہے یعنی روشنی اور اُجالا، لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ اندھیروں کو جمع کے صیغہ میں بیان فرمایا اور روشنی یا نور کو واحد کے صیغہ میں بیان فرمایا۔

قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ الَّذِىۡ جَآءَ بِهٖ مُوۡسٰى نُوۡرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجۡعَلُوۡنَهٗ

قَرَاطِيُسَ تُبُدُونَهَا وَتُخُفُونَ كَثِيُراً ج:(سورۃ الانعام،آیت 91)

''آپ یہ کہیئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیئے ہدایت ہے جسے کر رکھا ہے تم نے ورق ورق، دکھاتے ہو اس کا (کچھ حصہ)اور چھپاتے ہو بہت کچھ''۔

أَوَ مَن كَانَ مَيُتاً فَأَحُيَيُنٰهُ وَجَعَلُنَا لَهُ نُوراً يَمُشِيُ بِهِ فِيُ النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِيُ الظُّلُمٰتِ لَيُسَ بِخَارِجٍ مِّنُهَا ط كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلُكٰفِرِيُنَ مَا كَانُواُ يَعُمَلُونَ:

(سورۃ الانعام،آیت 122)

''بھلا وہ شخص جو تھا (پہلے) مردہ پھر ہم نے زندگی بخشی اُس کو اور عطا کی ہم نے اس کو روشنی کہ طے کرتا ہے (زندگی کی) راہ اس کی مدد سے لوگوں کے درمیان''۔

اس آیت مبارکہ میں موت سے مراد جہالت اور زندگی سے مراد علم وشعور ہے، یعنی ایک جاہل آدمی ایک زندہ حیوان تو ہے مگر انسان نہیں، زندہ انسان ہم اس کو تب کہے گے جب اس کی شعور کی آنکھ کھل جائے اور وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنا شروع کر دے۔یہی وہ نور ہے جس کو ہم شعور کہہ سکتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہدایت بھی کہہ سکتے ہیں اور دین اسلام بھی اور قرآن بھی۔

يُرِيُدُونَ أَن يُّطُفِؤُاُ نُورَ اللّٰهِ بِأَفُوَاهِهِمُ وَيَأُبَى اللّٰهُ إِلآَّ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوُ كَرِهَ الُكٰفِرُون : (سورۃ التوبہ،آیت 32)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں''۔ یہاں بھی نور سے مراد دین اسلام ہے کہ کافر اس دین کو مٹانا چاہتے ہیں مگر یہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ آفتاب کو پھونک سے بجانا۔

أَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ط فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللّٰهِ ط أُوْلٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ:(سورۃ الزمر،آیت22)

''بھلا وہ شخص کہ کھول دیا ہو اللہ نے اس کا سینہ اسلام کے لیئے جس کے نتیجہ میں ہو وہ روشنی میں اپنے رب کی طرف سے (کہیں ہوسکتا ہے ایسے شخص کی مانند جس کا دل سخت ہو؟) سو بربادی ہے ان لوگوں کے لیئے جن کے دل سخت ہو گئے ہیں (اور) وہ غافل ہیں اللہ کی یاد سے یہی لوگ ہیں پڑے ہوئے کھلی گمراہی میں''۔ یہاں پر نور کا تعلق شرح صدر سے ہے، شرح صدر ایک کیفیت کا نام ہے، یہ ایک درجہ ہے جہاں پہنچ کر نور آدمی کے سینے کے اندر جگمگا اُٹھتا ہے، ایمان کا نور، بصیرت کا نور۔ اس نور کی وجہ سے اس شخص پر ہر چیز کھل جاتی ہے، ہر حقیقت کھل جاتی ہے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِاىٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ :(سورۃ الزمر،آیت69)

''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اُٹھے گی نامہ اعمال حاضر کئے جائیں گے نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا''۔

اس آیت مبارکہ میں نور سے بظاہر مراد روشنی ہے جس میں تپش نہ ہو، مگر وہ روشنی نہیں جو سورج

یا ستاروں کی ہے اور جس میں تپش موجود ہے، چونکہ قیامت کے روز سورج موجود ہوگا اور اس کی تپش بھی موجود ہوگی تو پھر اس نور سے جس سے زمین جگمگا اُٹھے گی کیا مراد ہے؟ تفسیر مظہری میں حضرت حسن بصریؒ اور سدیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ نور رب سے مراد ہے عدل و انصاف۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرٰاكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ :(سورۃ الحدید، آیت 12)

''اس دن جب تم دیکھو گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ دوڑ رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب (ان سے کہا جائے گا) بشارت ہے تمہارے لیئے، آج ایسی جنتوں کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے بڑی کامیابی''۔

اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 'نور' روشنی کرنے کے لیئے دیا جائے گا، قیامت کے دن سورج کی روشنی ہوگی، جنت میں بھی روشنیاں ہیں تو پھر یہ اندھیرا کہاں ہوگا جہاں روشنی کی ضرورت پڑے گی، یہ مقام پل صراط کا ہے، جہاں پر مومن اور منافق کو الگ الگ کیا جائے گا، پل صراط پہ گھپ اندھیرا ہوگا، مومنوں کو جو نور دیا جائے گا وہ ان کے ایمان کا اور ان کے اعمال کا نور ہوگا، بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے، 'کافر تو پہلے ہی علیحدہ کئے جا چکے ہوں گے اب مسلمان رہ گئے ہوں گے، مسلمانوں میں مومن اور منافق کو الگ الگ کرنے کے لیئے پل صراط پر سے گزرنا پڑے گا'۔ پل صراط پہ گھپ اندھیرا ہوگا، مومنین کو اُن کے ایمان اور اعمال کے حساب سے نور عطا ہوگا یعنی درجات کے حساب سے، یعنی صاحب احسان حضرات کا نور الگ ہوگا، متقین کا الگ اور عام مومنین کا الگ، ایک

روایت کے مطابق جس کو سب سے کم نور عطا ہوگا وہ پاؤں کے انگوٹھے پہ ہوگا، منافقین کو نور نہیں ملے گا، وہ مومنین سے نور طلب کریں گے لیکن اُن کو ٹال دیا جائے گا۔۔العرض جو نور دنیا میں چیزوں کی حقیقت دیکھنے کے کام آتی ہے وہی نور آخرت میں چیزیں دیکھنے کے کام آئے گی، یعنی آخرت میں کوئی چیز غیر حقیقی نہیں ہوگی، جیسے اس دنیا کی ہر چیز غیر حقیقی ہے، دھوکا ہے، فریب ہے۔ایک مشہور دعا ہے بعض حضرات اس کو مرفوع حدیث کہتے ہیں اور بعض اثر کہتے ہیں، (دعا یہ ہے) **اللّٰھم ارنی حقیقة الاشیاء کما ھی** ۔اے اللہ مجھے تمام چیزوں کی حقیقت اسی طرح دکھا دے جس طرح وہ ہیں۔(**صید الخاطر** از ابن جوزیؒ)۔دوسرے الفاظ میں دعا اس طرح منقول ہے۔۔ **اللّٰھم ارنا الاشیاء کما ھی** ۔اور مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح **از ملا علی قاریؒ** میں اس طرح منقول ہے:'' **اِلٰھی ارنا الاشیاء کما ھی، و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه، و ارنا الحق حقا، و ارزقنا اتباعه و ارتکابه** ''۔اے اللہ ہمیں تمام چیزوں کی حقیقت اسی طرح دکھا دے جس طرح وہ ہیں، اور ہمیں باطل بھی واضح دکھا دے اور اس بچنے کی توفیق دے، اور ہمیں حق کو واضح دکھا اور اس کی پیروی کرنے اور عمل کرنے کی توفیق بخش''۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ دنیاوی روشنی (نور) کی وجہ سے ہے ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں وہ حقیقی نہیں ہیں، حقیقت ہم صرف نور یعنی باطنی بصیرت کی وجہ سے دیکھ سکتے ہیں، آج کی سائنس بھی کچھ اسی طرح کی بات کرتا ہے، اس سے متعلق بحث آگے صفحات پر 'حقیقۃ الاشیاءٗ کے نام سے آرہی ہے ملاحظہ فرمایں۔

آیات مندرجہ بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ 'نور' ایک جامع لفظ ہے اور قرآن پاک میں مختلف مواقع پر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور آیت زیر بحث کے پہلے حصے کا مطلب یہی

ہے کہ کائنات کی تمام مخلوقات کو ہدایت دینے والا صرف اللہ ہے، پیدا کرنے والا بھی اللہ اور ہدایت دینے والا، یعنی راستہ دکھانے والا، اپنا اپنا کام سمجھانے والا بھی اللہ۔ دنیاوی روشنیاں بھی اللہ کی پیدا کردہ ہیں، سورج کے روشنی کے کرشمے اس کے اپنے نہیں ہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ ہیں ان اجرام کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے سب اس نور کا پرتو ہے، مولانا مودودی صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا نور ہے، نور سے مراد وہ چیز ہے جس کی بدولت اشیاء کا ظہور ہوتا ہے... اللہ تعالیٰ کے لیئے لفظ نور کا استعمال اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے نہ کہ اس معنی میں کہ معاذ اللہ وہ کوئی شعاع ہے جو ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اور ہماری آنکھ کے پردے پر پڑ کر دماغ کے مرکز بینائی کو متاثر کرتی ہے''۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سورج کی روشنی ایک چراغ کی روشنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کی مثال سورج کے بجائے چراغ سے اس لیئے دی گئی ہے کہ یہاں مقصود اس ہدایت کی مثال دینا ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے عین درمیان راستہ دکھائے، اور چراغ ہمیشہ اندھیرے کے بیچوں بیچ روشنی پیدا کرتا ہے اس کے برعکس سورج کی موجودگی میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا، اس لیئے اندھیرے سے اس کا تقابل ساتھ ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

آگے اس نور کی مثال ایک لالٹین سے دی گئی ہے اور لالٹین کے شیشے کو چمکتے ہوئے روشن ستارے کی مانند فرمایا گیا ہے، اور جس مبارک تیل سے یہ لالٹین روشن ہوتا ہے اس کے متعلق یہ فرمایا کہ نہ تو وہ مشرقی ہے اور نہ مغربی، یعنی جیسے ستارے کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے اسی طرح اس لالٹین کا تعلق بھی اس مادی دنیا سے نہیں ہے، اور نہ اس کے ایندھن کا تعلق اس مادی دنیا سے ہے، نہ یہ تیل

مغرب سے ملے گا اور نہ مشرق سے یعنی اس دنیا کے کسی بھی کونے سے نہ ملے گا کیونکہ یہ تیل اتنا خالص ہے کہ مادی تیل سے اس کا تعلق ہی نہیں ہے۔

اصل چیز تیل ہے جس سے یہ روشنی نکل رہی ہے، اور یہ تیل اتنا خالص اور اتنا چمک دار ہے کہ یوں لگتا ہے کہ ابھی آگ پکڑ لے گی، جیسے کھلا پٹرول دور سے آگ پکڑ لیتا ہے، لیکن یہ تیل آگ نہیں پکڑتی، بلکہ اس سے بغیر آگ پکڑے روشنی خارج ہوتی ہے اور وہ روشنی یعنی نور اپنی چمک دمک کی وجہ سے کبھی کبھی آگ کی طرح نظر آتی ہے، جیسے حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر آگ کی صورت میں نظر آئی تھی لیکن اس میں آگ والی گرمی نہیں ہے، اس لیئے فرمایا کہ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیۤءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَار :عربی زبان میں ''ضاء، یضوء، ضوء، ضیاء'' کے الفاظ روشن ہونے اور چمکنے کے لیئے استعمال ہوتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ وہ روشنی اور چمک ہے جس میں تپش اور گرمی ہو، اگر اس روشنی اور چمک سے گرمی اور تپش کو نکال دیا جائے تو اس کو 'نور' کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دیکھنے والے کو یوں لگتا ہے کہ یہ تیل ابھی آگ پکڑ لے گا، یہ اس تیل کی صفت بیان کی جارہی ہے کہ پٹرول کی طرح دھماکے سے آگ نہیں پکڑتا بلکہ بغیر آگ پکڑے یہ روشن ہوتا ہے اور گمان یہی ہوتا ہے کہ جیسے آگ بڑھک اُٹھی، یہ اس خالص تیل کی صفت ہے۔

نور کی ضمیر کا مرجع بعض کے نزدیک تو لفظ اللہ ہی ہے یعنی اللہ کی ہدایت جو مؤمن کے دل میں، اس کی مثال یہ ہے اور بعض کے نزدیک مؤمن ہے جس پر سیاق کلام کی دلالت ہے یعنی مؤمن کے دل کے نور کی مثال طاق کے ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ہمارے اجسام کے اندر اللہ تعالیٰ نے دل بنایا ہے، وہ بھی ہدایت کا ذریعہ ہے، اس میں بھی نور

ہے، جب اس نور کے اوپر اللہ کے وحی کا پیغام گرتا ہے، تو ایک نور کے اوپر دوسرا نور گرتا ہے، اس کو بھی نُورٌ عَلٰی نُورٍ کہا جاتا ہے اور یہ نور یکدم بھڑکنے کو تیار ہوتا ہے جیسے پیٹرول آگ پکڑنے کو تیار ہوتا ہے، یہ آگ تو پکڑ لیتا ہے مگر جلاتا نہیں ہے، اس سے انسان کا پورا بدن روشن ہو جاتا ہے، اور اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں کفر کے اندھیرے، منافقت کے اندھیرے، حسد و بغض کے اندھیرے، گمراہی کے اندھیرے وغیرہ۔

پس مصباح سے مراد نور ہے یعنی قرآن اور ایمان جو مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حقیقة الاشیاء

دیکھنے کا عمل آنکھ سے ہوتا ہے، آنکھ خواص خمسہ کا اہم رکن ہے، ہم آنکھ کے ذریعے چیزوں کو دیکھتے ہیں، دراصل وہ چیزیں جن کو ہم نور کہتے ہیں یعنی سورج، چاند، آگ وغیرہ یہ نہ تو خود چیزیں دریافت کر سکتے ہیں اور نہ ادراک کر سکتے ہیں بلکہ ادراک کے ذرائعوں میں سے ایک ذریعہ ہے، اس لیئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص400)

یعنی اہم چیز آنکھ ہے جو نور کے ذریعے نہ صرف چیزوں کو دریافت کرتی ہے بلکہ اس کا ادراک بھی کرتی ہے، لیکن اگر ہم ذرا گہرائی میں جا کر دیکھے تو بات اس سے بہت مختلف ہے، وہ کیسے؟

امام غزالیؒ آنکھ کے متعلق فرماتے ہیں، ''یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصہ کو دیکھتا ہے لیکن

باطن کو دیکھنے پر یہ قادر نہیں، موجودات میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا، اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہیہ اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا، پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے، بڑی کو چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ص 400)

(غیر متناہی سے مراد وہ شئ ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شئے غیر متناہی نہیں۔ اماغزالیؒ)

کسی وجود سے آنے والی روشنی کے فوٹون (Photon) ہماری آنکھ کے عدسے سے گزر کر اس کے پیچھے ایک پردے ریٹینا (Retina) پر اُلٹے انداز میں پڑتے ہیں، اس روشنی کو برقی اشاروں میں تبدیل کر کے دماغ کے پچھلے حصے میں موجود ایک چھوٹے سے نقطے کو ارسال کر دیا جاتا ہے، اس نقطے کو مرکز بینائی کہتے ہیں، مرکز بینائی میں اس برقی اشارے کا کئی مراحل سے گزرنے کے بعد ایک عکس کی صورت ادراک ہوتا ہے، چنانچہ دیکھنے کا عمل دماغ کے پچھلے حصے میں واقع ایک چھوٹے سے نقطے میں وقوع پذیر ہوتا ہے، جو بجائے خود روشنی سے مکمل طور پر منقطع رکھا گیا ہے۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص 26)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ دراصل برقی پردہ کے وہ اثرات ہیں جنہیں ہماری آنکھوں نے دماغ کو ارسال کیا ہے، اور یہ کہ دماغ مکمل تاریکی میں ہے اس کا روشنی سے کوئی تعلق نہیں، یعنی ہم رنگین دنیا کا مشاہدہ تاریکی میں ڈوبے ہوئے دماغ کے اندر کرتے ہیں۔

یہی صورت حال دوسری حسیات کی بھی ہے، آواز، لمس، ذائقہ اور بو، سب برقی اشاروں کی

صورت دماغ کوارسال کئے جاتے ہیں، جہاں متعلقہ مراکز میں ان کا ادراک ہوتا ہے، عمل سماعت بھی اسی طرح برقی اشاروں کی وجہ سے ہوتی ہے، کان کا بیرونی حصہ آواز کو پکڑ کر وسطی کان تک پہنچاتا ہے، یہ حصہ آواز کے ارتعاش کی طاقت کو بڑھا کر اسے اندرونی کان کوارسال کر دیتا ہے، اندرونی کان ان لہروں کو برقی اشاروں میں تبدیل کرتا ہے اور انہیں دماغ کو بھیج دیتا ہے۔ سننے کا آخری عمل دماغ میں موجود مرکز سماعت میں ہوتا ہے، مرکز بصارت کی طرح مرکز سماعت بھی بیرونی دنیا سے کٹا ہوا ہوتا ہے، باہر کتنا ہی شور کیوں نہ ہو دماغ کے اندر مکمل خاموشی ہوتی ہے۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص28)

طبعی دنیا تک رسائی ہمارے لیئے ناممکن ہے ہمارے اردگرد کے تمام اجسام محض بصری، سمعی، اور لمسی ادراکات کے مجموعے ہیں، ہم اپنے دماغ کے بصری اور دوسرے مراکز میں ہونے والے تجزیے کے ذریعے جو کچھ دیکھتے ہیں وہ بیرونی دنیا میں موجود اصل مادہ نہیں بلکہ ہمارے دماغ میں بننے والی نقل ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں ہم غلطی کرتے ہیں ہم یہ غلط مفروضہ طے کر لیتے ہیں کہ دماغ میں بننے والی یہ نقول ہمارے اردگرد موجود اصل مادے کی امثال ہیں۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص31)

کسی پھل کھاتے ہوئے شخص کا واسطہ اصل پھل سے نہیں پڑتا بلکہ وہ صرف اپنے دماغ کے ادراک سے واقف ہے، جس شے کو وہ شخص پھل سمجھ رہا ہے وہ دراصل دماغ میں شکل، ذائقہ، خوشبو اور لمس سے متعلق ادراکات کا مجموعہ ہے۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص31)

فاصلہ دماغ میں محسوس ہونے والے خالی پن کا احساس ہے،ہمیں جو چیزیں دور نظر آتی ہیں وہ بھی ہمارے دماغ میں موجود ہیں.....جب آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ساتھ کے کمرے سے ٹیلی ویژن کی آواز سنائی دے رہی ہے تو دراصل آپ اپنے دماغ کے اندر آواز سن رہے ہیں، آپ نہ تو یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ اگلا کمرہ موجود ہے اور نہ ہی یہ کہ آواز اس کمرے میں موجود ٹیلی ویژن سے آرہی ہے، دراصل خارج سے آنے والی ہر آواز کا ادراک ہمارے دماغ میں موجود چند مربع سینٹی میٹر جسامت کے مرکز سماعت میں ہوتا ہے، اگر اس مرکز ادراک کو منقطع کردیا جائے تو پھر دائیں بائیں یا ہوا میں سے نہیں آتی......یہی حال قوت شامہ کا بھی ہے، کوئی خوشبو بھی کہیں دور سے نہیں آتی آپ صرف اپنے تجربے سے فرض کر لیتے ہیں کہ یہ جو ایک خاص طرح کا احساس میرے دماغ میں پیدا ہوا ہے یہ فلاں چیز کی خوشبو ہے، جس طرح پھول کی شبیہہ صرف آپ کے مرکز بصارت میں موجود ہے اسی طرح اس کی خوشبو بھی صرف آپ کے دماغ کے مرکز شامہ میں موجود ہے، خارجہ میں گلاب موجود ہے اور نہ ہی اس سے وابستہ خوشبو...... چنانچہ ہمارے ادراک ہمارے سامنے جس خارجی دنیا کو پیش کرتے ہیں محض برقی اشاروں کا مجموعہ ہے، ہم اپنی ساری زندگی ان اشاروں کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس حقیقت کا ادراک نہیں کر پاتے کہ یہ خارجی دنیا میں موجود مادے کا اصل روپ نہیں، ہماری اس کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے حواس کی مدد سے مادے کی اصل تک رسائی نہیں پا سکتے۔(کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص32-33)

ممتاز مفکر برکلے (Berkeley) اس موضوع پر یوں اظہار خیال کرتا ہے:

''شروع میں خیال کیا جاتا تھا کہ رنگ اور بو وغیرہ حقیقتاً موجود ہوتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس خیال کو مسترد کر دیا گیا، آج ہم جانتے ہیں کہ ان کا وجود ہمارے ادراک پر منحصر

ہے''۔ (کائنات،نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان،ص33)

سائنسی فلسفہ دان برٹرینڈ رسل لکھتا ہے،''جب ہم کسی ٹھوس چیز مثلاً ایک میز کو چھوتے ہیں تو جو لمس ہمیں محسوس ہوتا ہے دراصل ہماری انگلیوں کے الیکٹرانوں اور پروٹونوں میں ہونے والی مداخلت ہے جو، جدید طبیعات کے مطابق، میز کے الیکٹرانوں اور پروٹونوں کے قرب کی وجہ سے ہوتی ہے، اگر ایسی ہی مداخلت کسی اور وجہ سے ہو تو ہم یہی خیال کریں گے کہ ہماری انگلیاں میز کو چھو رہی ہیں''۔ (کائنات،نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان،ص 35)

سوال یہ ہے کہ اگر خارجی دنیا کی سب چیزیں ادراکات ہیں تو پھر دماغ، آنکھ، کان وغیرہ کیا ہیں، ظاہری بات ہے کہ یہ چیزیں بھی ہماری مادی دنیا ہی کی چیزیں ہیں لہٰذہ یہ بھی ادراکات ہی ہوئیں۔ اب اگر کوئی بندہ کسی خواب دیکھنے والے سے پوچھے کہ تم نے یہ تخیلی چیزیں کہاں دیکھی تو وہ کہے گا کہ اپنے دماغ میں، سر اور دماغ دونوں ادراکات ہیں یعنی دونوں تخیلی ہیں، اگر دماغ کا تجزیہ کیا جائے تو وہ پروٹین اور لپیڈ (Lipid) کا مرکب ہے، اب سوال یہ ہے کہ پروٹین اور لپیڈ میں یہ خصوصیت کہاں سے آ گئی جو یہ بتا سکے کہ یہ رنگ سرخ ہے کہ نیلا، یعنی چیزوں کو پہچاننے اور شعور و ادراک کی صلاحیت ایک مادے یا مادے میں موجود آئٹمز (Items) میں کہاں سے آ گئی؟ لازمی بات ہے کہ کوئی اور چیز ہے جو اس مادے سے بہت برتر و بالا ہے، اور وہ ہے روح یا نفس یا عقل۔ اور روح ہی ہے جو خود نور ہے، اوپر سے ایمان کا نور شامل ہو جائے تو 'نورعلیٰ نور' بن جاتا ہے، اب اس کے ساتھ اور انوارات بھی شامل کرتے جاؤ، قرآن کا نور، رحمت اللعالمین کا نور، جو فیض کی شکل میں انسان کو حاصل ہوتا ہے،

اسی طرح عبادات کا نور وغیرہ۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، ''اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی نہیں ہوسکتی، جو اس پر نور کا اطلاق کیا جاسکے، وہ غیر کی نسبت سے نور ہے لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات ہے، بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں ہے''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ،ص402)

جارج گریگوری (برطانوی مصنف اور سکالر) کہتا ہے، ''یہ کہنے کا رجحان عام ہے کہ دماغ میں تصویر آنکھ پیدا کرتی ہے، اس سے بچنا چاہیئے، دماغ میں موجود تصویر اپنے دیکھے جانے کے لیئے کسی اندرونی آنکھ کی متقاضی ہے، اس اندرونی آنکھ میں موجود تصویر کو دیکھنے کے لیئے ایک اور آنکھ کی ضرورت ہوگی، چنانچہ آنکھوں اور تصویروں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جو لایعنی ہے''۔ (کائنات ،نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان ،ص 37)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں، ''اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں یہ کمال صفت ہے ورنہ وہی آنکھ ہے جسے عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں.....اس لیئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بنسبت زیادہ مناسب ہے''۔ (مشکوٰۃ الانوار از امام غزالیؒ ترجمہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، بحوالہ مجموعہ رسائل غزالیؒ ،ص 401)

خواب کو حقیقت سے کیا چیز جدا کرتی ہے؟ دونوں اشیاء دراصل ذہن میں واقع ہو رہی ہیں، اگر ہم خواب میں غیر حقیقی کے حقیقی ہونے کا تجربہ کر سکتے ہیں تو جس دنیا میں ہم رہتے ہیں اس کے لیئے

بھی یہ حقیقی ہو سکتے ہیں، جب ہم خواب سے جاگتے ہیں تو یہ ماننے میں کوئی منطق مانع نہیں کہ ہم دراصل اب ایک نسبتاً لمبے خواب میں داخل ہوئے ہیں، جسے ہم حقیقی دنیا کہتے ہیں، خواب کو غیر حقیقی اور جاگنے کو حقیقی کہنا ہماری جانبداری اور تعصب کی پیداوار ہے۔ (کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، ص44)

خواب درحقیقت نبوت کے جزئیات میں سے ہے اور خواب دیکھنے کا تعلق روح سے ہے، جو خالص نور ہے، اب خود انصاف کیجئے کہ آنکھ کے دیکھنے کی حقیقت کیا ہے اور روح کے دیکھنے کی حیثیت کیا ہے۔ اس ضمن میں سورۂ ق آیت 22 ملاحظہ ہو:

لَقَدْ كُنتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَ كَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ:

(یہ وہ دن ہے کہ) درحقیقت تھا تو پڑا ہوا غفلت میں اس سے، سو ہٹا دیا ہے ہم نے تیرے سامنے سے پڑا ہوا پردہ۔ سو تیری نگاہ آج کے دن خوب تیز ہے۔

ہمارے آنکھوں پر چونکہ پردہ پڑا ہے اس لیئے ہمیں دنیا کی روشنی (مادی نور) کے ذریعے جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ سب نظر کا دھوکا ہے، اس دنیا میں اصل حقیقت اصل نور ہی سے حاصل ہو سکتی ہے وگرنہ قیامت کا انتظار کریں۔ اس لیئے کہ نور ہدایت ہے رہنمائی ہے۔

مادیت پسند فلسفہ دان چونکہ مادے کو مطلق تصور کرتے ہیں اس لیئے وہ یہ اعتراض لگاتے ہیں کہ مادے کو محض ادراک ماننے والے لوگ بھی سڑک پر گاڑی آتی دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہی مادے کے طبعی وجود کا ایک ثبوت ہے، ایک انسان سے ٹکرانے والی بس کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں، ''دیکھو اس

نے کچل دیا اس لیئے یہ ادراک نہیں''۔اس کے جواب میں فاضل مصنف کائنات،نظریۂ وقت اور تقدیر صفحہ 49 پر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں،''اگر حادثے کا شکار ہونے والے اس شخص کے اعصاب کو متوازی ترتیب میں اپنے گھر بیٹھے 'پولٹزر' (ایک مادہ پرست کا نام ہے George Politzer) کے دماغ سے منسلک کر دیا جائے تو بس حادثے کے نتیجے میں اسے بھی درد محسوس ہوگا، مطلب یہ کہ حادثے کا شکار ہونے والے شخص کے تمام احساسات اور تجربات میں پولٹزر بھی شریک ہو گا۔ پولٹزر کو کار آتی، جسم سے ٹکراتی، ہڈیوں کے ٹوٹنے اور آپریشن روم میں داخل ہونے کے سب احساسات اور تجربات محسوس ہوں گے''۔

اس کی ایک مثال ڈرائیونگ سیمولیٹر (driving simulator) کی ہے، سیمولیٹر پر گاڑی چلانے والے کو یہی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ حقیقتاً گاڑی چلا رہا ہے، حالانکہ وہ صرف مشین کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے اور سکرین پر چلنے والی تصویروں کو برقی اشارات کے ذریعے اس کے دماغ کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے، سیمولیٹر پر گاڑی چلاتے ہوئے مشکل مراحل سے گزرتے ہوئے اسے اتنا ہی ڈر لگتا ہے جیسے حقیقت میں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ دراصل یہ برقی اشارات ہی وہ مادی نور ہے جو ادراکات کا سبب بنتا ہے۔

اس حقیقت کے متعلق کہ دنیا ادراکات کا مجموعہ ہے، امام ربانی حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں،'' اللہ تعالیٰ نے التباسات (التباس بمعنی وہم) اور محسوسات کے محیط کُرے (یعنی سیارے) پیدا کئے، وجود کائنات محض کرہ احساس و التباس تک محدود ہے، یہ بجائے خود ٹھوس نہیں، بیرون میں سوائے ذات جل جلالہٗ کے کچھ موجود نہیں''۔مزید فرماتے ہیں،''یہ تخیلی دور متخیلہ ہی موجود ہے، یہ اس لیئے نظر آتا ہے اور اسی حد تک نظر آتا ہے جس حد تک اسے کھینچا گیا ہے، اسے صرف ذہن کی

آنکھ دیکھتی ہے، یہ ہمیں خارج میں یوں نظر آتے ہیں جیسے انہیں سر میں موجود آنکھ دیکھ رہی ہو، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں، یہ بالکل آئینے میں نظر آنے والے عکس کی طرح ہے، آئینے سے باہر اس عکس کا کوئی تسلسل اور استقرار موجود نہیں، تخیل اور اس کا استقرار دونوں تخیلی ہیں، اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے''۔(بحوالہ کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، صفحہ 62)

مولانا جامی نے اسی حقیقت کو قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اپنے تدبر کے مطابق اس طرح بیان کیا ہے: ''اس کائنات میں جو کچھ ہے احساسات اور مشاہدات ہیں، یہ یا تو عکس کی مانند ہیں اور یا پھر سایوں کی طرح''۔(کائنات، نظریۂ وقت اور تقدیر از ہارون یحییٰ ترجمہ ارشد علی رازی، اسلامک ریسرچ سنٹر، پاکستان، صفحہ 62)

محترم ابن انشاء فرماتے ہیں:

سب مایا ہے۔سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے۔

اس عشق میں ہم نے جو کھویا، جو پایا ہے۔

جو تم نے کہا ہے، فیض نے جو فرمایا ہے۔

سب مایا ہے۔

'مایا' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے، عارضی، ختم ہونے والا، فریب، دھوکہ

(illusion)، مایا صرف ایک لفظ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہندوؤ مذہبی فلسفہ منسلک ہے جو آج بھی ہندوؤں میں مقبول ہے، اس فلسفے کا نام 'موہ مایا' ہے، جس کے مطابق دنیا کی ہر چیز عارضی، دھوکہ اور فریب ہے۔

خلاصہ یہ ہے، کہ جو چیزیں ہم آنکھ کے ذریعے دیکھتے ہیں یعنی مادی نور کے ذریعے دیکھتے ہیں وہ ساری کی ساری عارضی اور دھوکہ ہے، اصل اور حقیقت وہ ہے جو کوئی غیر مادی نور کے ذریعے دیکھ لے، سائنس کی ترقی سے پہلے فلسفہ عام تھا اسی چیز کو فلسفہ 'وحدۃ الوجود' میں بیان کیا جاتا تھا، اب چونکہ سائنس عام گیا ہے اور سائنس نے بے پناہ ترقی کر لی ہے اس لیئے 'اللہ نور السمٰوٰت' کو ہمیں سائنسی نظر سے بھی دیکھنا چاہیئے، اُمید کرتا ہوں اُستاد محترم شیخ الفضیلہ ہدایت الرحمٰن حفظہ اللہ کی تفسیر سے یہ آیت مبارکہ مکمل طور پر واضح ہو جائے گی۔

طالب دُعا

اسفندیار معروف خیل

اکتوبر ۲۰۱۸ء بمطابق صفر ۱۴۴۰ھ

﴿ اعوذ با اللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ﴾

﴿ بِسم اللّٰہ الرحمٰن الرحّیم ﴾

<u>نور کیا ہے؟</u>

اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکوٰۃٍ فِیۡھَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُھَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَھۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَیَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۙ (سورۃالنور، آیت 35)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ رکھا ہو، اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو، جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے خواہ نہ چھوئے اُسے آگ، روشنی پر روشنی ہے، اللہ اپنے نور کی طرف رہنمائی عطا فرماتا ہے جسے چاہے، اور اللہ لوگوں کے لیئے یہ مثالیں بیان فرمارہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

<u>آیت نور کا پہلا حصہ</u>: سب سے پہلے آیت مبارکہ کے اس حصے کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

<u>**اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ**</u>:

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (۴):

اسی طرح سورۂ نحل آیت 114 کا آخری حصہ : إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ:

دراصل 'ایاہ' کے معنی روشنی کے ہیں، جسے نور کہا جاتا ہے، اس کرہ ارض اور کائنات پر مختلف اشیاء کی روشنی پڑتی ہے مثلاً بجلی اور بجلی کے ٹیوب لائٹیں، بلب، لالٹین اور کئی دوسرے ذرائع کی روشنیاں، (جبکہ کائنات خود بھی روشنی سے بنا ہے)۔

جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اس لیئے کہتے ہیں کہ ہم صرف اور صرف اسی نور اور روشنی کی عبادت کرتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ کی ہے، اس لیئے کہ ہماری عبادت، سجدہ، رکوع، صرف اور صرف اسی نور کے لیئے ہے، اور ایّاک کے معنی اسی نور (اللہ کے) ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

اسی طرح سورۂ بقرہ آیت نمبر 40 میں بنی اسرآئیل کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ: اس میں اسی نور کی طرف اشارہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے، اسی نور کی وضاحت سورۂ انعام آیت نمبر 103 کے آخری حصہ میں اور سورۂ ملک کے آیت نمبر 14 میں " وهو اللطيف الخبير" فرما کر کی گئی ہے کہ یہی نور لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے، یہی اسی نور کی صفات ہیں کہ تمھارے آنکھیں اس کی ادراک نہیں کرسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیئے "وَهُوَيُدرِكُ الاَبصَارِ ج" استعمال ہوا ہے کہ ساری کی ساری کائنات اللہ کے درک یعنی گرفت میں ہے۔

(نوٹ:اگر کوئی 'یا لطیف یا خبیر' کا ورد کر کے مراقبہ کر لے تو اس کو عملی تجربہ ہوسکتا ہے)۔

سورۂ ق کی آیت نمبر 16 میں بھی اسی نور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ : ''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے پیدا کیا ہے انسان کو اور ہم جانتے ہیں کہ کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس کے دل میں، اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے اس کی رگ جان سے بھی''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ ہر ذی روح کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اور یہی وہ نور ہے جس کا ذکر 'اللہ نور السمٰوٰت والارض' کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور اللہ کا یہی نور ہر جگہ موجود ہے، یہی حاضر و ناظر بھی ہے، اور پھر '**الحمد للّٰہِ رب العالمین**' فرما کر یہ بھی بتا دیا کہ وہ پاک ذات مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد عالمین سے بے پرواہ نہیں بلکہ اس کا پالنے والا ہے۔

اسی طرح سورۂ مؤمن آیت نمبر 7 کے آخری حصے میں ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً :

''چھایا ہوا ہے تو ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ'' یعنی اللہ کی رحمت نے ہر شے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

آیت نور کا دوسرا حصہ: اب آیت زیر بحث کے دوسرے حصے کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ :

آیت مبارکہ کے اس حصہ میں لفظ 'کَمِشْکٰوۃٍ' کا اشارہ عرشِ معلیٰ کی طرف ہے۔

سورۂ حٰم سجدہ آیت نمبر 8 تا 12 میں اللہ تعالیٰ نے کائنات بنانے کا ذکر کیا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ () قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَاداً ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (ج) وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ () ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً ط قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ () فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا ط وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ قصلے وَحِفْظاً ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ :

''بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور کئے انہوں نے نیک عمل ان کے لیئے ایک ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں، ان سے کہیئے کیا تم واقعی انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا ہے زمین کو دو دنوں میں اور ٹہراتے ہو تم اس کے لیئے (دوسروں کو) ہمسر، یہی ہے رب سارے جہان والوں کا، اور گاڑے اس نے زمین میں لنگر (پہاڑ) اوپر سے اور برکتیں رکھیں اس میں اور رکھ دیا اندازے کے مطابق اس کے اندر سامانِ خوراک چار دنوں میں، جو حاجت مندوں کی ضرورت کے مطابق ہے، پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف جبکہ وہ محض دھواں تھا اور اس نے حکم دیا اُسے اور زمین کو بھی کہ آجاؤ (وجود میں) خواہ تم چاہو یا نہ چاہو، دونوں نے کہا آ گئے ہم خوشدلی کے ساتھ، پھر بنا دیا اس نے انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی کر دیا ہر آسمان میں اس کا قانون اور آراستہ کر دیا ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے اور خوب محفوظ کر دیا، یہ منصوبہ ہے ایک زبردست ہستی کا جو علیم بھی ہے''۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِىْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف: (سورۃ الاعراف، آیت 54)

"بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر جلوہ افروز ہوا اپنے تختِ سلطنت پر"

سورۂ مؤمن میں ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَىْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ : (سورة المؤمن، آیت 7)

"وہ (فرشتے) جو اُٹھائے ہوئے ہیں عرش اور وہ بھی جو اس کے اردگرد ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر اور دعائے مغفرت کرتے ہیں اہل ایمان کے لیئے، (وہ کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! چھایا ہوا ہے تو ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ سو معاف کردے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور چلے تیرے راستہ پر اور بچالے انہیں عذابِ جہنم سے"۔

یہی نقطہ سورۂ نور آیت مذکور (35) کے دوسرے حصہ میں كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاح کے الفاظ سے ذکر ہوا ہے۔

اسی طرح سورۂ زمر آیت نمبر 67 (آخری حصہ) میں ارشاد ہوا ہے:

وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ط:

''(جبکہ اس کی شان یہ ہے کہ) قیامت کے دن زمین ساری کی ساری اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے (یعنی قبضہ قدرت میں ہوں گے)''۔

آیت نور کا تیسرا حصہ: آیت زیر بحث کے تیسرے حصے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

الْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ:

جس طرح محفوظ لالٹین بیرونی ہوا اوران کے نقصان سے محفوظ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ جو استوٰی عرش ہوکر اور سارے کائنات کا نور ہے سارے کے سارے احکام اور معاملات عرشِ معلیٰ سے جاری ہوکر تمام امور کی خود نگرانی کرتا ہے، اور اس کی تمام معاملات سے خود آگاہ ہے جیسا کہ سورۂ ق آیت 16 میں ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ج صلے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ: ''اور یہ حقیقت ہے کہ ہم ہی نے پیدا کیا ہے انسانوں کو اور ہم جانتے ہیں کہ کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے ہیں اس کے دل میں، اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے رگ جان سے بھی''۔

اسی طرح سورۂ ملک آیت نمبر 19 میں ارشاد ہوا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَٰفَّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ م ط مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ط إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ:

''اور کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے اڑتے پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سکیڑتے، نہیں تھامے ہوئے ہے انہیں کوئی سوائے رحمٰن کے، بے شک وہ ہر چیز کا نگہبان ہے''۔

یعنی تمام پرندے اس کی قبضہ قدرت میں ہیں اور 'رحمٰن' کے علاوہ کوئی بھی اس کو آگے پیچھے نہیں کرسکتا اور وہی ذات ہر چیز پر 'بصیر' ہے۔

تمام آسمانوں اور عرشِ معلیٰ کو شیاطین کی رسائی سے محفوظ بنایا گیا ہے، وہاں شیاطین پہنچنے کی کوشش تو ضرور کرتے ہیں مگر ادھر پہنچنا درکنار اور ناممکن بات ہے، جب بھی شیاطین، چاہے ان کا تعلق کسی بھی عالم سے ہو، ایسی کوئی کوشش کرتے ہیں تو آسمان اول کے حدود سے پہلے پہلے ان پر شہاب ثاقب کا حملہ کردیا جاتا ہے، جیسا کہ سورۂ صٰفّٰت میں اس کا تفصیلاً ذکر موجود ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (ط) **إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ نِ الْكَوَاكِبِ** (لا) **وَحِفْظاً مِّن كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ** (ج) **لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ** (ق صلے) **دُحُوراً وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ** (لا) **إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ** : (سورة الصّٰفّٰت، آیت 10-5)

''جو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب کا مالک ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا بھی مالک ہے۔ بیشک ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔ کہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو جلتا ہوا انگار ان کے پیچھے لگتا ہے''۔

<u>آیت نور کا چوتھا حصہ</u>: آیت زیر بحث کے چوتھے حصے کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

<u>**الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ**</u>

یہاں اللہ تعالیٰ کے ان تعلیمات کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی اور عالمین کی رہنمائی کے لیئے مقرر کیے ہیں، یہ تعلیمات حضرت آدمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بھیجے ہیں۔

سورۂ ابراہیم آیت 4 میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اُنہی کے زبان پر پیغمبر بھیجے ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ :

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکامِ الٰہی) کھول کھول کر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے''۔

سورۂ رعد آیت 7، سورۂ یونس آیت 47 اور سورۂ نحل آیت 36 میں ہر قوم اور ہر اُمت میں پیغمبر بھیجنے کا ذکر ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ : اور ہر قوم کے لیئے ایک رہنماء ہوا ہے (الرعد:۷)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ : اور ہر اُمت کے لیئے ایک رسول ہے (یونس:۴۷)

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلاً : اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا

(النحل:۳۶)

ان تمام تعلیمات کا کسی نسل یا قوم سے تعلق نہیں ہے بلکہ بنی نوع انسانی اور عالمین کے لیئے یکساں طور پر بھیج دیئے گئے ہیں، ان تمام تعلیمات کے بنیادی اُصول ایک ہیں، جسے اُصول دین کہا جاتا ہے۔

یہ تعلیمات مشرق یا مغرب سے تعلق نہیں رکھتے یعنی ان تعلیمات میں نسلی امتیاز کا کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ انبیائے کرام کے ذریعے بنی نوع انسانی کے ہدایت واسطے بھیج دیئے ہیں، جیسے وحدانیت، رسالت، عقیدہ آخرت، عقیدہ فرشتوں پر ایمان، اور تمام کتابوں پر ایمان۔

دین کی بنیادی تعلیمات تمام انسانوں کے لیئے ایک جیسے ہی ہیں اگر کوئی فرق زمانے اور حالات کے مطابق ہے بھی تو وہ صرف اور صرف فروع میں ہے اُصول میں نہیں ہے، جیسا کہ سورۂ حج آیت نمبر 67 میں مذکور ہے:

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَکاً ھُمۡ نَاسِکُوۡہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الۡاَمۡرِ وَادۡعُ اِلَی رَبِّکَ ط: "ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے ایک شریعت (عبادت کا طریقہ) مقرر کردی ہے جس پر وہ چلتے ہیں (یعنی عبادت کرتے ہیں) تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور دعوت دو تم اپنے رب کی طرف"۔

سورۂ حج آیت 34 کا بھی یہی مفہوم ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ط فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهٗٓ أَسْلِمُوا ط وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ لا :

"اور ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے، تا کہ جو مویشی چار پائے اللہ نے اُن کو دیئے ہیں (اُن کے ذبح کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں سو تمہارا معبود ایک ہی ہے اُسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو"۔

اس فروعی اختلاف کی طرف سورۂ ابراہیم آیت 24 تا 25 میں بھی اشارہ ہوا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (لا) تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ط وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ :

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو اور اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں"۔

اللہ تعالیٰ کی تعلیمات تمام نوعِ انسانی کے لیئے ہیں، جس کا اصل ثابت ہے یعنی اُصول ایک ہیں، جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ایک ہی ہیں اور فروع علاقے، زمانے، وقت اور لوگوں کی ضروریات و نفسیات کے مطابق مختلف ہوتے آئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام رساں اور رسول ہے، ربّ العالمین نے آپ ﷺ کوتمام عالمین کے لیئے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا، اور قرآن کو ذکر للعالمین کے طور پر ارسال فرمایا ہے، سورۂ انبیاء آیت نمبر 107 میں ہے: وَمَآ أَرۡسَلۡنٰکَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ : اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو اے نبی (ﷺ) مگر رحمت بنا کر جہان والوں کے لیئے۔

اسی طرح سورۂ احزاب آیت نمبر 47-41 میں ارشاد ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر زیادہ کیا کریں یعنی ذکر کثیر کریں اور حضور ﷺ پر درود شریف بھیجا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے حضور ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں:

یَا أَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰهَ ذِکۡراً کَثِیۡراً (لا) وَّسَبِّحُوهُ بُکۡرَةً وَّأَصِیۡلاً () هُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَمَلٰٓئِکَتُهُ لِیُخۡرِجَکُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَی النُّورِ ط وَکَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡماً () تَحِیَّتُهُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَهُ سَلَامٌ ج صلے وَأَعَدَّ لَهُمۡ أَجۡراً کَرِیۡماً () یٰٓأَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِیۡراً (لا) وَّدَاعِیاً إِلَی اللّٰهِ بِإِذۡنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِیۡراً () وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلاً کَبِیۡراً :

اے اہلِ ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو۔ اور صبح اور شام اُس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا اور اُس نے اُن کیلئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر (ﷺ)! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔ اور

مومنوں کو خوشخبری سنادو کہ اُن کیلئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔

یہی تعلیمات انسان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو نہ عربی ہے اور نہ شرقی۔ اس لیئے قرآن کو ذکر للعالمین کہا گیا ہے کہ اس پیغام کا تعلق علاقے سے نہیں ہے بلکہ تمام کے تمام عالمین کے لیئے ہے، سورۂ تکویر آیت نمبر 27 میں ارشاد ہے:

اِن هُوَ اِلَّا ذِكرٌ لِّلعٰلَمِينَ (۲۷) : نہیں ہے قرآن مگر نصیحت سب اہل جہان کے لیئے۔

اور اسی ذکر للعالمین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، سورۂ حجر آیت نمبر 9 میں ارشاد ہے: إِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ : ''بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتاب نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں قرآن کی حفاظت فرمائی ہے اور وہاں پر شیاطین کی رسائی ناممکن ہے، اسی طرح کرہ ارض پر بھی اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح اسی نور کی طرف سورۂ احزاب آیت 47-45 میں بھی اشارہ موجود ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرسَلنٰكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَّنَذِيراً (۴۵) وَّدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِيراً () وَبَشِّرِ المُؤمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللّٰهِ فَضلاً كَبِيراً :

''اے نبی (ﷺ)! بے شک ہم ہی نے بھیجا ہے تم کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر)، اور بلانے والا اللہ کی طرف اسی کی اجازت سے اور (بنایا ہے آپ ﷺ کو)

روشن چراغ، اور خوشخبری دے دو مومنوں کو اس بات کی کہ ہے ان کے لیئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل''۔

آیت نمبر 46 کے آخر میں آپ ﷺ کے لیئے سِـرَاجاً مُّنِیراً فرما کر یہ اعلان کر دیا کہ یہی 'نور' حضور ﷺ کو وحی کی شکل میں نوع انسانی کے لیئے ہدایت کا سرچشمہ اور کامیابی کا زینہ بنا کر بھیجا یعنی رحمۃ اللعالمین پر ذکر للعالمین (قرآن) نازل فرمایا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک حدیث مبارکہ میں بھی اسی نور کی طرف اشارہ موجود ہے:

وَلَکَ الـحَمدُ اَنتَ نُورُ السَّمٰوٰاتِ وَالاَرضِ : ''اور تعریف تیرے ہی لیئے ہے، تو آسمان اور زمین کا نور ہے'': (صحیح بخاری، باب التہجد باللیل، حدیث نمبر 1120، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافر، حدیث نمبر 1808)

اسی طرح سورۃ شوریٰ آیت 11 کے آخری حصے میں بھی اسی نور کی طرف اشارہ ہے: لَیـسَ کَـمِثلِهٖ شَیءٌ ج وَهُـوَ السَّمِیعُ البَصِیرُ : ''نہیں ہے اس سے مشابہ (کائنات کی) کوئی چیز، اور وہ ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا''۔

<u>آیت نور کا پانچواں حصہ</u>: آیت زیر بحث کے پانچویں حصے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں:

<u>یَکَادُ زَیتُهَا یُضِیٓءُ وَلَو لَم تَمسَسهُ نَارٌ</u>

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی چھوئے تو وہ نور ہے، یہی نور جو آگ بھی نہیں ہے اور آگ کی شکل میں نظر بھی آ سکتا ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر نظر آیا تھا، ملاحظہ ہو

سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 10 :اِذْ رَاٰ نَـاراً فَـقَـالَ لِاَهْـلِـهِ امْـكُثُوٓا اِنِّیٓ اٰنَسْتُ نَاراً لَّعَلِّیٓ اٰتِیْكُم مِّنْهَا بِـقَبَـسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى : ''جب دیکھی اُس (موسیٰ علیہ السلام) نے آگ تو کہا اپنے گھر والوں سے ذرا ٹھہرو بلاشبہ میں نے دیکھی ہے آگ شاید کہ میں لے آؤں تمہارے لیئے اس میں سے کوئی انگارا یا مل جائے مجھے آگ کے پاس رہنمائی''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں سے واپسی پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو آگ نظر آئی وہ دراصل آگ نہیں تھا بلکہ نورِ خداوندی تھا جو آگ کی شکل میں نظر آ رہا تھا اور جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ یہ آگ بڑھک اُٹھے مگر یہ آگ نہیں ہے، اور اسی آگ کو سورۃ طٰہٰ آیت نمبر 23 میں ایٰتــــنـــا الکبریٰ بتایا گیا ہے۔

لوح محفوظ میں اسی نور تک رسائی بحکم اللہ صرف اور صرف پاک فرشتوں کو حاصل ہے، ملاحظہ ہو سورۃ واقعہ کی آیات 74 تا 80:

فَسَبِّـحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ () فَلَآ أُقْسِـمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ (لا) وَإِنَّـهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيْمٌ (لا) إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (لا) فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ (لا) لَّا يَمَسُّهُٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (ط) تَنزِيْلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ :

''پس اے نبی (ﷺ) تسبیح کر واپنے رب عظیم کے نام کی۔ پس نہیں، قسم کھاتا ہوں میں ستاروں کی گزرگاہوں کی۔ اور بلاشبہ یہ ایک قسم ہے اگر تم سمجھو تو، بہت بڑی قسم۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بلند پایہ (عزت ناک) ہے۔ جو (ثبت ہے) ایک محفوظ کتاب میں۔ نہیں چھوتے اسے مگر وہ جو پاک

صاف ہیں (فرشتے)۔ نازل کردہ ہے رب العالمین کی طرف سے''۔

<u>آیت نور کا چھٹا حصہ</u> : اب آیت زیر بحث کے چھٹے حصے کی طرف آتے ہیں:

<u>نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ</u>

اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کا نور ہے، اس نور نے سارے کائنات کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے، خواہ عالم ناسوت ہو یا عالم لاہوت (عالم ناسوت سدرۃ المنتھیٰ تک ہے، اوپر عالم لاہوت ہے)، اور یہ سارا نور ہی نور ہے، سورۂ نجم آیت 1 تا 18 میں حضور ﷺ کے معراج کے واقعے کا ذکر ہے ان آیات سے بہت ساری چیزیں واضح ہو جاتی ہیں:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى (لا) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (ج) وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى (ط) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (لا) عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى (لا) ذُو مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى (لا) وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى (ط) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (لا) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى (ج) فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰى (ط) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى () أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى () وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً

أُخْرٰى (لا) عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى () عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى (ط) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (لا) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى () لَقَدْ رَأٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى :

''قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ نہ بھٹکا ہے تمہارا رفیق اور نہ بہکا۔ اور نہیں بولتا ہے وہ اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ کلام مگر ایک وحی، جو نازل کی جارہی ہے۔ تعلیم دی ہے اسے زبردست قوت والے نے (یعنی حضرت جبرئیلؑ)۔ جو بڑا صاحب حکمت ہے، پھر سامنے آ کھڑا ہوا۔

جبکہ وہ بالائی اُفق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ ہو گیا برابر دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (یہ محاورۃً استعمال ہوا ہے مطلب ہے دوستی کا عہد کرنا)۔ تب وحی پہنچائی اس نے اللہ کے بندے کو جو وحی پہنچانی تھی ۔ نہ جھوٹ جانا رسول (ﷺ) کے دل نے اسے جو دیکھا اس نے۔ کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس چیز پر جو وہ دیکھتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ اسے دیکھ چکا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی۔ 'سدرۃ المنتہیٰ' کے قریب۔ اس کے آس پاس 'جنت الماویٰ' ہے۔ جب چھا رہا تھا سدرہ پر جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ چندھیائی نگاہ اور نہ حد سے بڑھی۔ بلاشبہ اس نے دیکھیں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں''۔

آیت نمبر 1 میں اُس ستارے کا ذکر ہے جو طلوع کے بعد نیچے کی طرف آ رہا ہو، اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ حضور ﷺ معراج میں عرش معلیٰ کی طرف اوپر جا کر پھر نیچے آسمانون کے راستے زمین کی طرف واپس تشریف لائے، حضور ﷺ کا اوپر جانا طریق (23/17) پر نہیں بلکہ حُبک (51/7) پر ہوا تھا۔

آیت نمبر 14 میں سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہے اور آیت نمبر 16 میں نور علی نور کی طرف اشارہ موجود ہے، اسی طرح آیت نمبر 11 میں آنکھ کے ساتھ دل کی بینائی کا بھی ذکر ہے، اور اسی بات کا ذکر سورۂ حج آیت نمبر 46 میں بھی موجود ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ :

''واقعہ یہ ہے کہ نہیں اندھی ہوتی ہیں آنکھیں بلکہ اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل جو سینوں میں ہیں''۔

اور اسی دل کی بینائی سے انبیاء کرام علیہ السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کچھ نشانیاں دیکھ سکتے ہیں، اور یہی سورۂ انعام آیت 103 تا104 اور سورۂ ملک آیت 14 میں لطیف اور خبیر کے صفاتی ناموں کا ذکر ہے۔

لَا تُدۡرِکُهُ الۡأَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡأَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ () قَدۡ جَآءَ کُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡهَا ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَیۡکُم بِحَفِیۡظٍ:

''نہیں پاسکتیں اس کو نگاہیں اور وہ پالیتا ہے نگاہوں کو، اور وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔ بے شک آ گئیں ہیں تمہارے پاس بصیرت کی روشنیاں تمہارے رب کی طرف سے پس جانے بینائی سے کام لیا سو اس کا فائدہ اُسی کے لیئے ہے اور جو اندھا رہا سو اُس کا نقصان اسی کو ہوگا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔

أَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ :

''بھلا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ ہے باریک بین اور پوری طرح باخبر''۔

قرآن اور احادیث مبارکہ کی یہی تعلیمات اس کرہ ارض پر نورٌعلیٰ نور ہیں۔

<u>آیت نور کا ساتواں حصہ</u> : آیت زیر بحث کے ساتویں حصے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں:

<u>**یَهۡدِیۡ اللَّهُ لِنُوۡرِهٖ مَن یَشَاءُ**</u>

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، سورۂ بقرہ آیت 120 میں بھی اسی طرف اشارہ ہے:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ: ''کہہ دو بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے''۔

سورۂ ال عمران آیت نمبر 73 کے ایک حصے میں اس طرح ارشاد ہے:

قُلْ إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ: ''کہہ دو بے شک حقیقی ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے''۔

سورۂ ال عمران کی آیت نمبر 74 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَن يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ :

''وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیئے جسے چاہتا ہے، اور اللہ مالک ہے فضل عظیم کا''۔

سورۂ زمر آیت نمبر 41 میں ارشاد ہوا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيْلٍ :

''بلاشبہ ہم ہی نے نازل کی ہے تم پر (اے نبی ﷺ) یہ کتاب انسانوں کے لیئے سچائی کے ساتھ سو جو شخص سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیئے کرتا ہے اور جو بھٹکے گا تو بس اس کے بھٹکنے کا وبال اسی پر ہوگا، اور نہیں ہے تم پر ان کی کوئی ذمہ داری''۔

قرآن کریم میں اور کئی مقامات پر مختلف انداز میں اس بات کا ذکر موجود ہے، اللہ اسی نور کی

تعلیمات کے لیئے خود بندوں اور فرشتوں کے انتخاب کا ذکر بھی کرتا ہے، سورۂ حج آیت نمبر 75 ملاحظہ ہو:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ :

''اللہ منتخب فرما لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے پیغام رساں اور انسانوں میں سے بھی، بے شک اللہ ہے ہر چیز سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا''۔

اور بنی اسرائیل آیت نمبر 18 تا 19 میں بھی اسی طرح کا بیان موجود ہے، اس کے علاوہ قرآن پاک میں اور کئی مقامات پر اس کا حکم موجود ہے، مثلاً سورۂ زمر آیت نمبر 22 تا 23 ملاحظہ ہو:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ () اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ ٭ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَ قُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ :

''بھلا وہ شخص کہ کھول دیا ہو اللہ نے اس کا سینہ اسلام کے لیئے جس کے نتیجہ میں ہو وہ روشنی میں اپنے رب کی طرف سے (کہیں ہوسکتا ہے ایسے شخص کی مانند جس کا دل سخت ہو؟) سو بربادی ہے ان لوگوں کے لیئے جن کے دل سخت ہوگئے ہیں (اور) وہ غافل ہیں اللہ کی یاد سے یہی لوگ ہیں پڑے ہوئے کھلی گمراہی میں۔ اللہ نے نازل فرمایا ہے بہترین کلام، ایک ایسی کتاب (جس کے تمام اجزا) ہم رنگ ہیں اور مضامین دہرائے گئے ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اسے سن کر ان لوگوں کے جسم پر جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہو کر ان کے جسم اور ان کے دل راغب ہو جاتے ہیں اللہ کے ذکر کی

طرف۔ یہ ہے ہدایت اللہ کی، راہ دکھاتا ہے وہ اس کے ذریعہ سے جسے چاہتا ہے اور جسے گمراہ کردے اللہ، تو نہیں ہے اسے کوئی ہدایت دینے والا''۔

اسی طرح سورۂ حج آیت نمبر 46 ملاحظہ ہو:

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَآ أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا ج فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ :

''تو کیا نہیں چلے پھرے یہ زمین میں کہ حاصل ہو جاتے اُن کو ایسے دل کہ سمجھتے یہ اُن سے یا ایسے کان کہ سنتے یہ ان سے (حق بات)۔ واقعہ یہ ہے کہ نہیں اندھی ہوتی ہیں آنکھیں بلکہ اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل جو سینوں میں ہیں''۔

سورۃ الذٰریٰت آیت نمبر 55 بھی ملاحظہ ہو: وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ : ''اور نصیحت کرتے رہو اس لیئے کہ نصیحت فائدہ پہنچاتی ہے اہل ایمان کو''۔ ذکر سے قرآن بھی مراد ہے۔

اور سورۂ واقعہ آیت نمبر 79 میں ہے: لَّا يَمَسُّهٗٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ط : ''نہیں چھوتے اسے مگر وہ جو پاک صاف ہیں''، یعنی خاص فرشتے۔

آیت نور کا آٹھواں حصہ: آیت زیر بحث کا آٹھواں حصہ ملاحظہ کریں:

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ:

اس نقطہء کو سمجھنے کے لیئے سورۂ حج آیت 73 تا 74 ملاحظہ ہو:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّـاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ لَن يَّخْلُقُوا ذُبَاباً وَّلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ () مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ :

''اے لوگو! بیان کی جاتی ہے ایک مثال تو غور سے سنو اُسے، یقیناً وہ جن کو پکارتے ہو تم اللہ کے سوا ہر گز نہیں پیدا کر سکتے وہ ایک مکھی بھی اگر چہ جمع ہو جائیں وہ سب اس کام کے لیئے۔ اور اگر چھین لے جائے ان سے مکھی کوئی چیز، تو نہیں چھڑا سکتے اس کو اس سے، کمزور ہیں (مدد) مانگنے والے بھی اور وہ بھی جن سے (مدد) مانگی جاتی ہے۔ نہیں پہچان سکے یہ اللہ کو جیسا کہ حق ہے اس کو پہچاننے کا، یقیناً اللہ ہی طاقتور اور غالب ہے''۔

اور سورۂ بقرہ آیت نمبر 26 بھی ملاحظہ ہو:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللَّهُ بِهٰذَا مَثَلاً ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيْراً ۙ وَّيَهْدِىْ بِهِ كَثِيْراً ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ :

''بلا شبہ اللہ ہر گز نہیں شرماتا اس سے کہ بیان کرے تمثیل کسی قسم کی، مچھر کی یا اس سے بھی حقیر تر چیز کی۔ اب وہ لوگ جو ایمان والے ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ یہی حق ہے اُن کے رب کی طرف سے (آیا) ہے، لیکن وہ لوگ جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ آخر کیا مراد ہے اللہ کی ایسی تمثیلوں سے؟ گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اللہ ایسی باتوں سے بہتوں کو اور راہ راست دکھاتا ہے ان کے ذریعہ سے

بہتوں کو۔اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو''۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے آیات کریمہ قرآن مجید میں موجود ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کا خالق، رازق اور ربّ ہے، اور اسی رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کو ذکر للعالمین کے ذریعے نوع انسانی کی رہنمائی کے لیئے مقرر فرمایا ہے، اور اسی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کرام وفقہاء کرام کا انتخاب کر کے اسی نور کی رہنمائی کے لیئے مقرر کیئے ہیں۔

<u>آیت نور کا نواں اور آخری حصہ</u>: آیت زیر بحث کے آخری حصے پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں:

<u>وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ</u>:

آیت کریمہ کے اس حصے کو سمجھنے کے لیئے سورۂ بقرہ کے آیات 255 تا 257 پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ج اَلْحَىُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ ط مَن ذَا الَّذِى يَشْفَعُ عِنْدَهُٓ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا يُحِيطُونَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهِٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ج وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيمُ () لَآ إِكْرَاهَ فِى الدِّينِ قف لا قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ () اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِينَ اٰمَنُوا لا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ ط وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْلِيٰٓـهُمُ الطَّاغُوتُ لا يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمٰتِ ط أُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ :

''اللہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے زندۂ جاوید ہے، پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، نہیں آتی اس کو اُونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں۔ کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے حضور بغیر اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے اُسے بھی جو بندوں کے سامنے ہے اور وہ بھی جو ان سے اوجھل ہے اور نہیں احاطہ کر سکتے وہ ذرا بھی اس کے علم میں سے مگر جس قدر وہ چاہے، حاوی ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر، اور نہیں تھکاتی اس کو نگہبانی ان دونوں کی، اور وہی ہے برتر اور عظیم۔ نہیں کوئی زبردستی دین کے معاملہ میں بیشک صاف طور پر الگ ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے، سو جس نے انکار کیا طاغوت کا اور ایمان لایا اللہ پر تو یقیناً اس نے تھام لیا ایک ایسا مضبوط سہارا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ سن کچھ سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ اللہ حامی و مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لاتے ہیں، نکالتا ہے اُن کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف، اور وہ لوگ جو کفر اختیار کرتے ہیں اُن کے حامی و مددگار طاغوت ہیں جو نکالتے ہیں اُن کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف، یہی لوگ ہیں اہل دوزخ، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا بادشاہ اور مالک ہے، وہ اپنے علم میں سے جو بھی اور جتنا بھی کسی کو چاہے دے سکتا ہے جیسا کہ سورۂ توبہ میں حضور ﷺ کو عزیز، حریص، رؤف، اور رحیم فرمایا گیا ہے، ملاحظہ ہو سورۂ توبہ کی آیت نمبر 128: لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ :

اور خود اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے نورانی صفات کا تعین اور گنتی کوئی نہیں کر سکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفات ختم ہو سکتے ہیں، سورۂ کہف آیت 109 ملاحظہ ہو:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَاداً لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَداً :

''کہہ دیجئے کہ اگر بن جائے سمندر روشنائی میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیئے تو ضرور ختم ہو جائے سمندر اس سے پہلے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اور خواہ لے آئیں ہم اتنی ہی اور روشنائی''۔

اسی طرح سورۂ لقمٰن آیت نمبر 27 ملاحظہ ہو:

وَلَوْ أَنَّ مَا فِىْ الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ط إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ :

''اور اگر بن جائیں جتنے بھی ہیں زمین میں درخت قلم اور سمندر ہو اس کی سیاہی، اور اس کے ساتھ ہوں مزید سات سمندر بھی تو نہ ختم ہوں اللہ کی باتیں، بے شک اللہ ہے زبردست، بڑی حکمت والا''۔

اُمید واثق ہے کہ آیت نور کافی حد تک واضح ہو چکا ہوگا۔ (تمت بالخیر)

صاحب احسان

﴿ اعوذ با اللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ﴾

﴿ بِسم الله الرحمٰن الرحّیم ﴾

صاحب احسان (ولی اللہ)

﴿ وَالسّٰبِـقُـونَ الاَوَّلُونَ مِنَ المُھٰجِرِینَ وَالاَنصَارِ وَالَّذِینَ اتَّبَعُوھُم بِاِحسَانٍ لا رَّضِـیَ الله ُعَنھُم وَرَضُوا عَنہُ وَاَعَدَّ لَھُم جَنّٰتٍ تَجرِی تَحتَھَا الاَنھٰرُ خٰلِدِینَ فِیھَآ اَبَدًا ط ذٰلِکَ الفَوزُ العَظِیمُ ﴾

''اورمہاجرین وانصار میں سے ایمان لانے میں آگے بڑھ جانے والوں اورخلوص دل سے ان کی پیروی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے اور اُس نے اُن کے لیئے ایسے باغات تیار کیئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے''۔

حاشیہ نمبرا: {یہ آیت مبارکہ بہت ہی اہمیت کی حامل او رتفصیل طلب ہے ، اس آیت مبارکہ میں اُن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صفت بیان فرمائی گئی ہے جو 'سابقون الاولون' کے درجہ پر فائز ہیں یعنی وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت لی، یہ صحابہ کرام مہاجرین

میں سے بھی تھے اور انصار میں سے بھی، اور اس کے بعد اُن لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے اِن سابقون الاولون کی اتباع کی احسان کے ساتھ، اور فرمایا گیا کہ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور یہ حضرات اللہ سے راضی ہیں }

سورۂ توبہ کی اس آیت نمبر 100 میں (اتَّبَعُوهُم بِاِحسَانٍ لا) پر "لا" آیا ہے، لا کی تعریف اور وضاحت ضروری ہے کہ احسان سے کیا مراد ہے اور اتباع احسان سے کیا مراد ہے۔

احسان اور اتباع احسان کے علاوہ مرتبہ احسان تک پہنچنے کا سفر، صاحب احسان کے دنیوی و اُخروی ثمرات و درجات کو قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی روشنی میں وضاحت طلب ہے۔

احسان کی تعریف:

لَیسَ عَلَی الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا لصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیمَا طَعِمُوٓا اِذَا مَا اتَّقَوا وَّ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّ اٰمَنُو ثُمَّ اتَّقَوا وّ اَحسَنُوا ط وَ اللہ یُحِبُّ المُحسِنِینَ
:(سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 93)

"جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیئے ان پر ان چیزوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو (شراب وغیرہ وہ حرمت سے پہلے) کھا (پی) چکے اور وہ آئندہ بچتے رہیں اور ایمان پر رہے اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر پرہیزگار رہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہے، پھر پرہیز کرتے رہیں اور خوب نیکیاں کماتے رہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 93 میں تین ایمانوں اور تین تقویٰ کا ذکر ہوا ہے، ایمان اور تقویٰ کے تیسرے درجے کے مؤمن کو اللہ تعالیٰ نے محبوب قرار دیا ہے، ایمان اور تقویٰ کے اس تیسرے درجے کے مقام کو مقام احسان کہا جا سکتا ہے، اور جو مردِ مؤمن اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے وہ صاحب احسان کہلاتا ہے۔

<u>درجات ایمان وتقویٰ</u>: آیت میں بیان شدہ تین ایمان اور تین تقویٰ کی وضاحت کچھ اس طرح کی جا سکتی ہے:

۱. <u>پہلا ایمان و پہلا تقویٰ</u>: جو بندہ بھی ایمان لایا اور تقویٰ پر قائم رہا اور گناہ کبیرہ سے بچتا رہا یعنی کہ شرک وغیرہ سے، تو اس کو ایمان وتقویٰ کے سفر کا شروع کا مسافر کہا جا سکتا ہے، اس طرح کے ایمان وتقویٰ کو 'علم الیقین' کے زمرے میں ڈالا جا سکتا ہے یعنی کہ ایک عام مسلمان کا ایمان وتقویٰ۔

۲. <u>دوسرا ایمان وتقویٰ</u>: مسلمان اگر ایمان وتقویٰ کے اس سفر میں، جو کہ ایمان میں داخل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، ثابت قدم رہے اور نیکی میں آگے بڑھنے کے لیئے کوشاں رہے، تو وہ ایمان وتقویٰ کے دوسرے درجے میں داخل ہو جاتا ہے۔

دوسرے درجے کے تقویٰ کو 'خواص کا تقویٰ' بھی کہا جا سکتا ہے، جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں اور بچنے کی کوشش کرتے ہیں، ایمان وتقویٰ کا یہ معیار مؤمن کو 'عین الیقین' کی دولت سے نوازتا ہے۔

۳. <u>تیسرا ایمان وتقویٰ</u>: ایمان وتقویٰ کے اس سفر میں بندہ مؤمن اگر ثابت قدم رہے، اس

راہ میں استقامت دکھائیں اور نیکی میں آگے بڑھنے کے لیئے مسلسل کوشاں رہے تو ایمان کے تیسرے درجے میں داخل ہو جاتا ہے، ایسے بندۂ مؤمن کو 'محسن' اور 'صاحب احسان' کہا جاتا ہے، اور ایمان و تقویٰ کے اس مقام کو مقام احسان کہا جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 93 میں جو پہلے تقویٰ کا ذکر آیا ہے، وہ اربابِ عقل کا تقویٰ ہے، دوسرا تقویٰ ارباب علم کا تقویٰ ہے اور تیسرا اہل معرفت کا تقویٰ ہے، جن کو قرآن حکیم میں محسنین کہا گیا ہے اور یہی لوگ احسان کے درجے پر فائز ہیں، ان حضرات کی اتباع کا ذکر آیت زیر بحث میں کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں صاحب احسان کے نفس کو 'نفس مطمئنہ' کہا گیا ہے، ارشاد باری ہے:

يَـا أَيَّتُهَـا الـنَّـفْـسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (قصلے) **ارْجِعِيَّ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً** (ج) **فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ** (لا): (سورۃ الفجر، آیت 29-27)

''اے وہ نفس! جس نے اطمینان حاصل کرلیا تو اپنے ربّ کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہو، پھر تو میرے برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جا''۔

<u>محسنین (صاحب احسان کا انتخاب)</u>:۔ اللہ پاک قرآن کریم میں اپنے برگزیدہ بندوں کے انتخاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَللّٰـهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ ط **إِنَّ اللّٰـهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ** : (سورۃ

الحج،آیت75)

''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

ہر نیک عمل سے ایمان کا درجہ بڑھتا ہے اور ہر عمل بد سے ایمان کا درجہ گھٹتا ہے، کچھ اعمال ایسے ہیں جن سے ایمان سلب ہو جاتا ہے، اور کچھ اعمال ایسے ہیں جو کہ نیک ہیں اور اس کے کرنے سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

صاحب احسان کا یقین 'حق الیقین' کے درجے میں ہوتا ہے، اس طرح پہلے درجے کے ایمان وتقویٰ کو 'ولایت عامہ' کہا جاتا ہے، دوسرے درجے کے ایمان وتقویٰ کو 'ولایت خاصہ' اور تیسرے درجے کے ایمان وتقویٰ کو 'ولایت خاص الخاصہ' کہا جاتا ہے۔

جس طرح ایمان وتقویٰ کے تین درجات ہیں اسی طرح کفر کے بھی تین درجات ہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّـذِيْـنَ آمَـنُـواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ازْدَادُواْ كُفْراً لَّمْ يَكُنِ اللّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلاَ لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلاً ط(سورۃ النساء،آیت137)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا اور نہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا''۔

اسی طرح سورۂ انعام آیت نمبر 132 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُواْ ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ()

''اور سب کے لیئے ان کے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور آپ کا پروردگار ان کے اعمال سے بے خبر نہیں''

گناہ کبیرہ کے سرزد ہو جانے سے ایمان کے درجات گھٹ جاتے ہیں، تیسرے درجے کا ایمان دوسرے درجے پہ اور دوسرے درجے کا ایمان پہلے درجے (یعنی عام مسلمان) کے ایمان پر آ سکتا ہے، لیکن سچی توبہ سے اور عمل صالح سے ان ایمانوں میں پھر ترقی ہوسکتی ہے اور درجات بلند ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح ایمان وتقویٰ اور عمل صالح کے اس سفر میں کامیابی کے لیئے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیئے جنس شرط نہیں ہے بلکہ ایمان شرط ہے، مرد ہو یا عورت، اگر اس سفر خیر میں کوشاں ہے اور ایمان کی ترقی کے لیئے تقویٰ کے ساتھ اسلام پر کاربند ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ج وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ ۔ (سورۃ النحل، آیت 97)

''جو کوئی نیک کام کرے گا، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم ضرور اسے دنیا میں پاکیزہ زندگی دینگے اور آخرت میں ان کو ان کے بہترین اعمال کا اجر دیں گے''۔

صاحبِ احسان کی صفات وخصوصیات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے ان سچے بندوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوا سَلٰماً ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِيَاماً ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ق صلے إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً (ق صلے) إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَّمُقَاماً ○ وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً ○ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ج وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً (لا) (سورۃ الفرقان، آیت 63-68)

’’اور اللہ تعالیٰ کے سچے بندے تو وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے ربّ کے آگے سجدوں اور قیام میں رات گزارتے ہیں اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! دوزخ کا عذاب ہم سے دور رکھ، بلا شبہ اس کا عذاب بڑا بھاری ہے، وہ یقیناً برا ٹھکانا اور بری جگہ ہے، اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں، ان کا خرچ اعتدال سے ہوتا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسے کام کرے گا وہ گناہ کی سزا پائے گا‘‘۔

اسی طرح سورۃ ال عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّذِیْنَ یُنفِقُونَ فِیْ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ: (سورۃ الٰ عمران، آیت 134)

''جو خوشحالی اور تنگدستی میں (اللہ کی راہ میں مال) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو قابو میں رکھتے ہیں اور لوگوں (کے قصور) معاف کرتے ہیں اور اللہ پاک نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اسی طرح صاحب احسان یا محسنین راضی بالرضا کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اپنی مرضی اللہ پاک کی مرضی میں شامل کرتے ہیں، اللہ پاک کے ہر فیصلے پر راضی رہتے ہیں، ہر حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اپنی ہر محبوب چیز کو اللہ پاک کی مرضی پر قربان کرتے ہیں۔ یعنی Total Submission To Allah

اسی کی طرف قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَن یُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ: (سورۃ لقمٰن، آیت 22)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس نے (گویا) ایک نہایت پختہ (رسی کا) حلقہ تھام لیا ہے اور تمام اُمور آخر میں اللہ تعالیٰ ہی کے حضور پیش ہونے والے ہیں''۔

یہاں (مُحْسِنٌ) سے مراد صاحب احسان ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ، آیت نمبر 2 میں ہے : هُـدًى لِّلْـمُتَّقِيْنَ : یہ قرآن کریم متقی لوگوں کے لیئے رہنمائی ہے۔

سورۂ لقمٰن آیت نمبر 3 میں ہے: هُـدًى وَرَحْـمَةً لِّـلْمُحْسِنِيْنَ : یہ قرآن کریم محسنین کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے۔

حاشیہ نمبر۲:{مطلب یہ ہے کہ ہمارے جیسے گناہگاروں کے لیئے تو ہدایت ہے لیکن صاحب احسان حضرات کے لیئے رحمت ہے، ان صاحبان کی کرامات اور مشاہدات اسی رحمت کی وجہ سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہمارے لیئے عموماً اور صاحب احسان حضرات کے لیئے خصوصاً 'رحمت للعالمین ﷺ کے طفیل ہے، اس لیئے تو صاحب احسان حضرات کے سردار حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سب گھر بار چھوڑ چھاڑ کر اپنی زندگی نبی کریم ﷺ کی خدمت اور اسلام کی سربلندی کے لیئے وقف کر دی تھی}

اسی طرح صاحب احسان علم میں راسخ ہوتے ہیں یعنی ان کو علم میں پختگی حاصل ہوتی ہے، غلط فتویٰ نویسی اور متشابہات سے غلط یا اپنے مفاد کے مطابق تاویلات سے گریز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۂ ال عمران آیت نمبر 7 (آخری حصہ) میں فرماتے ہیں:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِيْ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

''اور جولوگ علم میں ماہر ہوتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے ہیں، یہ سب کچھ ہمارے ربّ کی طرف سے ہیں''۔

یعنی صاحب احسان قرآن کریم کی آیات مبارکہ میں، اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر، فتنہ انگیز تاویلات نکالنے سے گریز کرتے ہیں۔

صاحب احسان کی ایمان کی پختگی اور زیادتی کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ توبہ آیت نمبر 124 میں اس طرح سے ہوا ہے:

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌفَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَـذِهِ إِيمَاناً فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُواْ فَزَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (۱۲۴)

''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض (منافق) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے، پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اُس نے اُن کے ایمان کو ترقی دی ہے، اور وہ خوش ہو رہے ہیں''۔

اس طرح سورۂ مؤمنون میں صاحب احسان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (لا) الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ (لا) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (لا) وَالَّـذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ (لا) وَالَّـذِيْنَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ (لا) اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِيْنَ (ج) فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُونَ (ج) وَالَّـذِيْـنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ (لا) وَالَّـذِيْنَ هُمْ عَلٰى

صَلٰوتِهِمۡ يُحَافِظُونَ (م) أُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُونَ (لا) الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ط هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ :(سورۃالمومنون، آیت 1 تا 11)

''یقیناً وہ مؤمن کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے بچتے رہتے ہیں، اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ لونڈیوں کے، کیونکہ اُن پر (اس بات میں) کوئی الزام نہیں، پس جو کوئی اس کے علاوہ (عورتوں وغیرہ کے) خواہاں ہوں تو ایسے لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اسی طرح سورۂ معارج میں صاحب احسان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں:

إِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ (لا) الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ (صلے) وَالَّذِيۡنَ فِيۡٓ أَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ (صلے) لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (صلے) وَالَّذِيۡنَ يُصَدِّقُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ (صلے) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ (ج) إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَأۡمُوۡنٍ () وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ (لا) إِلَّا عَلٰٓى أَزۡوَاجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَانُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ (ج) فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ (ج) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِأَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَاعُوۡنَ (صلے) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ (صلے) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ (ط) أُولٰٓئِكَ فِيۡ جَنّٰتٍ مُّكۡرَمُوۡنَ (ط): (سورۃ المعارج، آیت 22 تا 35)

''سوائے ان نمازیوں کے جو اپنی نمازوں کو ہمیشہ ادا کرتے ہیں، اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے، سوال کرنے والوں اور محتاجوں کا، اور وہ جو روزِ جزا پر یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے ربّ کے

عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان کے ربّ کا عذاب بڑا خطرناک ہے، اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے (ان کے پاس جانے میں) ان پر کوئی الزام نہیں، پھر جو کوئی اس کے سواء خواہش کرے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں اور جو پنے گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت سے رہیں گے''۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ ط يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ قف وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِيْ التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيْلِ وَالْقُرْآنِ ط وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُم بِهِ ط وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ() التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ() (سورۃ التوبہ، آیت 111 تا 112)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال و دولت کو اس بدلے میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، پس وہ دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں، اللہ کا یہ وعدہ (تورات) انجیل اور قرآن کی رُو سے سچا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے قول کا پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے، پس تم کو اپنے سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے خوشخبری ہو، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد وثناء کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے

والے ہیں، اور ایسے مؤمنوں کو آپ ﷺ خوشخبری سنا دیجئے''۔

صاحب احسان اور مقام احسان کی پسندیدگی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفاً ط وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلاً: (سورۃ النساء، آیت 125)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کسی کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے اپنا سر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دیا ہو اور وہ نیکوکار بھی ہو اور ابراہیمؑ کی ملت کا تابع ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یکسو تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا لیا تھا''۔

سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُواْ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُواْ الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّ وَعَلاَنِيَةً وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُوْلٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ : (سورۃ الرعد، آیت 22)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (نیکی کی راہ میں) پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، اور جو نیکیوں سے برائیوں کو مٹا دیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیئے آخرت کا گھر ہے''۔

اس سے پہلے والی آیت (سورۃ الرعد، آیت 21) میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَن يُّوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ(ط) :

''اور جو (ان رشتوں کو) جوڑتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں''۔

اسی طرح علم میں راسخ بندے یعنی صاحب احسان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوگی کہ وہ نبی کریم ﷺ سے شدید محبت رکھتے ہوں گے، آپ ﷺ سے محبت و عشق اور آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر اس درجے یا مقام کو حاصل کرنا ناممکن ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ() قُلْ أَطِيْعُواْ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ج فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ():
(سورۃ آل عمران، آیت 31 تا 32)

''اے پیغمبر (ﷺ)! کہہ دیجیئے کہ اگر تمہیں اللہ سے سچی محبت ہے تو میری پیروی کرو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (انہیں) کہہ دیجیئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو پھر اگر یہ روگردانی کریں تو (یاد رہے کہ) اللہ تعالیٰ روگردانی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اسی طرح صاحب احسان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوگی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونگے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کے بارے میں فرمایا ہے، کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی

رضا کے طالب ہو، ایمان وتقویٰ کے درجات کی بلندی وترقی کے خواہاں ہو وہ ہر وقت اللہ پاک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَاذْكُرُواْ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُمْ : (سورۃ النساء، آیت103)

''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو''۔

ذکر کے بغیر احسان کے مرتبے تک پہنچنا ناممکن ہے، محسنین بہترین ذاکرین بھی ہوتے ہیں، ذکرِ قلبی، لسانی، سری وجہری ہر قسم کے ذکر میں توجہ الی اللہ کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، ایمان وتقویٰ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ اور قربِ اللہ کے حصول کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک ذکر کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ الأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُواْ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَآئِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ : (سورۃ الاعراف، آیت180)

''اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں سو اس کو انہی ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، انہیں بہت جلد ان کے اعمال کی سزا ملے گی''۔

محسنین کی ایک خصوصیت وصفت یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت

دیں گے اور معاملات میں عدل وانصاف قائم رکھیں گے۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَآ أُمَّةٌ يَهۡدُونَ بِالۡحَقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُونَ: (سورۃ الاعراب، آیت 181)

''اور ہماری مخلوق میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو حق وصداقت سے رہنمائی کرتے ہیں اور اس کے مطابق انصاف بھی کرتے ہیں''۔

صاحبان اہل کتاب والے علم میں راسخ تھے اور قرآن کریم کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوئے اور احسان کے اعلیٰ مراتب انہیں عطا کیئے گئے، اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِن قَبۡلِهٖ هُم بِهٖ يُؤۡمِنُونَ ۝ وَإِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ إِنَّهُ الۡحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ۝ : (سورۃ القصص، آیت 53-52)

''جن لوگوں کو ہم نے (قرآن سے) پہلے کتاب دی وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جب ان کو قرآن پڑھ کر بتایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، یہ ہمارے ربّ کی طرف سے برحق ہے، ہم تو (اس کے آنے سے) پہلے ہی فرمانبردار ہیں''۔

اسی سورۃ کے آیات 54 تا 55 میں ہے:

وَيَدۡرَءُونَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنفِقُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ أَعۡرَضُوا عَنۡهُ وَقَالُوا لَنَآ أَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ أَعۡمَالُكُمۡ ۡ سَلَامٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِي الۡجٰهِلِيۡنَ ۝

''یہ لوگ نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں

سے خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ بے ہودہ کلام سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیئے اور تمہارے عمل تمہارے لیئے، ہماری طرف سے تم کو سلام، ہم جاہلوں (کی رفاقت) کو نہیں چاہتے''۔

سورۂ نساء آیت نمبر 162 میں اس طرح ارشاد ہوا ہے:

لٰـــکِنِ الرّٰسِـخُونَ فِیْ الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ یُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَیْکَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِکَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّکٰوۃَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الاٰ خِرِ ط أُوْلَـئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ أَجْراً عَظِیْماً:

''لیکن ان (اہل کتاب) میں سے جو لوگ علم میں ثابت قدم ہیں وہ اور مسلمان اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو (اے پیغمبرِ اسلام ﷺ) آپ پر نازل کی گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو آپ (ﷺ) سے پہلے نازل کی گئی اور وہ نماز قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لانے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے''۔

حاشیہ نمبر۳: {صاحب احسان حضرات کی جو صفات اوپر بیان ہوئے ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ صاحب احسان حضرات زمین پر نرمی سے چلتے ہیں یعنی تکبر نہیں کرتے اور زمین میں فساد برپا نہیں کرتے۔

۲۔ اگر اُن سے جاہل لوگ اُلجھ پڑے جیسا کہ جاہل لوگوں کا شیوہ ہے تو ان سے کہتے ہیں کہ

سلام ہو یعنی مجھے معاف کر دیں جیسا کہ انگریزی میں Excuse me کہہ کر لوگ آگے نکل جاتے ہیں۔

۳۔ تہجد گزار ہوتے ہیں، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں مانگتے ہیں۔

۴۔ جہنم کے عذاب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔

۵۔ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

۶۔ تین چیزیں بالکل نہیں کرتے یعنی شرک نہیں کرتے، ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔

۷۔ جھوٹ کی گواہی نہیں دیتے۔

۸۔ بے ہودہ کاموں میں حصہ نہیں لیتے۔

۹۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور گونگے بہرے نہیں رہتے۔

۱۰۔ اپنی اولاد، گھر اور معاشرے کے لیئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

۱۱۔ سورۂ مجادلہ آیت نمبر 22 میں صاحب احسان کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ یہ لوگ اللہ اور

رسول ﷺ کے دشمنوں سے کبھی بھی محبت نہیں رکھتے اگر چہ وہ رشتے میں ان کا اپنا باپ ہی کیوں نہ ہو، یا ان کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، یعنی صاحب احسان اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو، ان لوگوں کے دلوں پر ایمان فرض کر لیا گیا ہے یعنی مہر لگا دی گئی ہے اور حضرت جبرئیلؑ سے ان کو مدد ملتی ہے، ان حضرات کو حزب اللہ کہا گیا ہے یعنی اللہ کی جماعت، اللہ کے لوگ یا اللہ والے، اور فرمایا گیا کہ اللہ کی جماعت ہی مفلحون ہیں۔

یہاں پر غلام احمد قادیانی کو غلط فہمی لگ گئی تھی، غالب گمان یہی ہے کہ قادیانی بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کو اللہ فرشتوں سے مدد دیتے ہیں، جب اس نے اپنے آگے پیچھے غیبی مدد دیکھا تو اس نے مختلف قسم کے دعوے کرنا شروع کر دیئے اور آخر میں نبوت کا دعویٰ کر دیا، نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ولایت منسوخ ہو جاتی ہے، جب اس نے دیکھا کہ میرا تو سب کچھ لٹ گیا تو پھر ضد و انا کی وجہ سے اور شیطان کی بھرپور مدد کی وجہ سے یہی رٹ لگا تارہا کہ میں نبی ہوں، کبھی کہا میں یسوع موعود ہوں تو کبھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، واللہ اعلم۔

سورۂ اعراف آیات 46 تا 49 میں صاحب احسان کو رجالِ اعراف کہا گیا ہے یعنی وہ نمایاں شخصیات جو اونچی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر ضمانت دینے والوں کو یعنی جنتیوں کو سلام کہے گے اور دوزخ والوں سے بھی بات چیت کریں گے، ابھی یہ حضرات جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں

گے لیکن جنت کے اُمید وار ہوں گے اور ان کے لیئے یہ مقام بھی ایک انعام و اکرام ہے:

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ج وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمٰهُمْ ج وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَن سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قف لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ () وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ لا قَالُوا رَبَّنَا لاَ تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ () وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالاً يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمٰهُمْ قَالُوا مَا أَغْنٰى عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ () أَهٰٓؤُلآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لاَ يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ط ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لاَ خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلآ أَنتُمْ تَحْزَنُون ():

''اور درمیان اُن دونوں (گروہوں) کے (حائل ہوگی) ایک اوٹ اور ایک مقام بلند (یعنی اعراف) پر کچھ لوگ ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے ہر گروہ کو اُن کے قیافے سے اور پکار کر کہیں گے وہ اہل جنت سے کہ سلام ہو تم پر، یہ (لوگ) نہیں داخل ہوئے ہوں گے ابھی جنت میں البتہ اس کے آرزو مند ہوں گے۔ اور جب پھریں گی اُن کی نگاہیں طرف اہل جہنم کے تو کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کجیو تو ہمیں شامل ان ظالم لوگوں میں۔ اور پکاریں گے یہ اہل اعراف کچھ بڑے لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے اور کہیں گے نہ کام آئے تمہارے (آج) تمہارے جتھے اور وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔ کیا یہی (اہل جنت) ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ نہ نوازے گا ان کو اللہ اپنی رحمت سے (اور اُن سے کہا

جائے گا) داخل ہو جاؤ جنت میں (آج) نہ خوف ہے تمہارے لیئے اور نہ تم غمگین ہوں گے''۔}

اسی طرح دل کی ان تین حالتوں کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں ان دلوں کو بھی ذکر کیا ہے جو کہ سخت ہوتے ہیں، نصیحت قبول کرنے والے نہیں ہوتے، پھر اللہ تعالیٰ انہی دلوں کو نرمی عطا کرتے ہیں حتیٰ کہ ان دلوں کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے لرزتے ہیں:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ : (سورۃ البقرہ، آیت 74)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا اس سے بھی بڑھ کر سخت ہیں، اور بے شک پتھروں میں سے بعض ایسے پتھر بھی ہیں، جب سے پانی کی نہریں پھوٹ پڑتی ہیں، اور ان میں یقیناً ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی رستا ہے، اور ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک پڑتے ہیں اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں''۔

جوں جوں ایک مسلمان ایمان و تقویٰ کے اس سفر میں آگے بڑھتا رہتا ہے، اُس کی قلبی حالتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ 'منیب' اور 'شہید' قلبی حالت کو پا لیتا ہے، ایسے دل کو پھر اللہ کے ذکر سے سکون و اطمینان ملتا ہے اور وہ پرسکون رہتا ہے، جو کہ صاحب احسان بندوں کا خاصہ ہے۔ سورۂ رعد میں ہے:

الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ أَلاَ بِـذِكْـرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب :
(سورۃ الرعد، آیت 28)

''وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اُن کے دل اطمینان پاتے ہیں، یادرکھو! کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے''۔

عشق مصطفیٰ اور عشق الٰہی سے لبریز یہ بندگانِ خدا (صاحب احسان) اپنے اس مقام احسان پر قائم رہنے کے لیئے، مقام رضا کو پانے کے لیئے یا اس پر استقامت رکھنے کے لیئے جہاں اللہ کے حضور توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں اور گڑگڑاتے ہوئے اللہ کے حضور دعائیں بھی مانگتے ہیں، محسنین کی اس طرح کی ایک دعا سورۃ ال عمران آیت نمبر 8 میں موجود ہے:

رَبَّـنَـا لاَ تُـزِغْ قُـلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ج إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ :

''اے اللہ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی (ٹیڑھا پن) نہ پیدا کر اور ہمیں اپنی رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے''۔

یہ دعائے دل ہے یعنی اپنی دل کی حالت درست رکھنے کے لیئے اور اللہ تعالیٰ سے مزید ایمان کی ترقی اور رحمت کے طلب کرنے کے لیئے۔ یہ اس لیئے کہ کہیں قلب منیب وشہید یا قلب سلیم سے خدانخواستہ دل پھیر کر دل منکر یا سخت دل نہ ہو جائے، اور مقام قرب سے کہیں گر نہ جائے، اسی لیئے جہاں نیکیوں میں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیئے کوشش کرتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی طلب کر رہے ہوتے ہیں، اور اس کی رحمت، فضل وعنایات حاصل کرنے کے لیئے دعائیں بھی

کرتے ہیں۔

حاشیہ نمبر۴:{سلوک کے اس سفر میں جب سالک کے دل سے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں یعنی لطیفہ ءقلبی ہو جاتی ہے تو نفس مطمئنہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اس کو قلب منیب بھی کہا جاتا ہے اور اس کو حق الیقین بھی کہا جاتا ہے، ایمان کے مختلف مراتب ہیں، ان مراتب کو قرآن پاک نے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کہا ہے، اس کے متعلق ڈاکٹر اسرار صاحب فرماتے ہیں" ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور تعقل و تفکر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے، ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی بلند تر درجہ وہ ہے جو انسان کے ذاتی تجربے اور احساس پر مبنی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ان مدارج کے لیئے تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ علم الیقین یہ ہے کہ آپ نے اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے استنباط کیا، استدلال کیا اور اس طرح کسی چیز کا علم آپ کو حاصل ہوا اور آپ کو یقین آ گیا، اور عین الیقین یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو دیکھا اور آپ نے اپنی حسِ بصارت پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیا۔ اور حق الیقین کا درجہ ان دونوں سے بلند ہوگا، یہ یقین وہ ہوگا جو انسان کے ذاتی تجربے کا ایک جزو بن جائے گا" (بحوالہ معراج النبی ﷺ ص 10)

اس کی مثال ڈاکٹر صاحب نے یوں دی ہے کہ آپ کسی جگہ پر دھواں دیکھتے ہو تو آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس جگہ پر آگ ہے، یہ علم الیقین ہے، اب اگر آپ آگ کے نزدیک چلے جاتے ہو اور آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہو تو یہ عین الیقین ہوگا، لیکن ہو سکتا ہے دل نہ مانے

کہ واقعی یہ آگ ہے یا کوئی اور چیز، اب اگر آپ کسی انگارے کو چھو لیتے ہو تو آگ کیا ہے یہ آپ کو خود تجربہ ہو جائے گا، یہ حق الیقین ہے۔ صاحب احسان حضرات کے جیسے جیسے مراتب ہوتے ہیں ویسے ویسے ہی ان کے مشاہدات ہوتے ہیں، قرآن پاک میں دل کی چھ حالتیں بیان ہوئی ہیں، قلب سلیم، قلب شہید اور قلب منیب، اور ان کے بالکل اُلٹ قلب منکر، قلب متکبر اور قلب جبار۔

اگر صاحب احسان حضرات سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیئے سزا بھی دگنا مقرر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب احسان حضرات پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مشاہدے کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور مشاہدے کے باوجود گناہ کرنے کا مطلب حق سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہوتا ہے، گناہ سرزد ہونے کے بعد اگر صاحب احسان توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور عمل صالح کرے تو اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو بھی ثواب میں بدل دیتا ہے، یہاں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تصوف کی رو سے ایمان کے تین درجات ختم ہونے کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اس لیئے صاحب مشاہدہ شخص توبہ کرنے کے ساتھ ایمان بھی لائے گا اور ساتھ عمل صالح بھی کرے گا، اس طرح ان کی پرانی حیثیت بحال ہو جاتی ہے، یاد رہے کہ نبوت منسوخ نہیں ہوتی جبکہ ولایت منسوخ ہو جاتی ہے اس لیئے اگر صاحب احسان گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرے تو اس کی ولایت منسوخ ہو جاتی ہے، زندگی میں ولایت ختم ہو سکتی ہے لیکن مرنے کے بعد صاحب احسان ولی اللہ ہی رہتا ہے۔

ولایت منسوخ ہونے کی مثال سورۂ اعراف آیات 175 تا 176 میں بیان ہوا ہے، بنی اسرائیلی روایات کے مطابق اس شخص کا نام بلغم بن باعورہ تھا جس نے گناہ سرزد ہونے کے بعد رجوع نہ کیا، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گیا تو اس کی مثال کتے جیسی ہوگئی، اس کے برعکس سورۂ النّٰزعٰت آیات 40 تا 41 میں ارشاد ہے کہ: **وَأَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى (لا) فَإِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَأۡوٰى** ط: یعنی جس نے اپنے نفس کو اپنے ربّ کے مقام سے ڈرایا اور خواہشات سے روکا تو اس کے لیئے جنت کی مہمان نوازی ہے۔}

<u>دنیوی واُخروی زندگی میں صاحب احسان کے اُجور وثمرات</u>:

اللہ تعالیٰ نے محسنین (صاحب احسان) کوانعام یافتہ قرار دیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا ہے، اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان محسنین کے رستے کی طلب کے لیئے اور اس میں کوشش کرنے کے لیئے فرمایا ہے اور آخرت میں نبیوں اور محسنوں کے ساتھ انجام کو بہت بڑا انجام خیر و کامیابی قرار دیا ہے، اور اس کو بڑا فضل قرار دیا ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـٰئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ أَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِم مِّنَ النَّبِيِّيۡنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيۡنَ ج وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيۡقًا: (سورۃ النساء، آیت 69)

''جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو وہ آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں''۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ:(سورۃ النساء،آیت 70 ابتدائی حصہ)

''یہ فضل وکرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر 69 میں ان لوگوں کوانعام یافتہ کہا گیا ہے،اورسورۂ فاتحہ آیت 6 اور 7 میں فرمایا گیا ہے:

اِهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ()صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ ۙ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ() :

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ اُن لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ اُن کا جو گمراہ ہو گئے''۔

اسی لیئے اللہ اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ نساء آیت نمبر 59 فرمایا گیا۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ ج:

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر جو تم میں سے ہوں''۔

حاشیہ نمبر۵:{اس آیت زیر بحث میں اتباعِ صحابہ کا حکم دیا گیا ہے، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ" میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے" (مشکوٰۃ المصابیح:6018)،

اتباع کو عرف عام میں 'تقلید' بھی کھا جاتا ھے، یه تقلید صحیح اور واجب ھے، ایك تقلید وہ ھے جس طرح مشرکین و اھل کتاب کھا کرتے تھیں که هم تو اپنے اباء و اجداد کی تقلید کر رھے ھیں، یه تقلید اندھی تقلید کھلاتی ھے، یه سراسر غلط اور باطل تقلید ھے، ھمارے ھاں کچھ لوگ تقلید سے انکار کرتے ھیں اور اپنے آپ کو غیر مقلد کھتے ھیں، یه بھت ھی خطرناك بات ھے، اندھی تقلید سے انکار کے سبب یه حضرات صحیح اور واجب تقلید یعنی اتباع سے بھی نکل جاتے ھیں، اُمت کا اجماع چار اماموں کا اتباع کرنے پر ھے اور اسی چیز کو تقلید بھی کھا جاتا ھے، یه وہ امام صاحبانؒ ھیں جو صاحب احسان ھیں اور انھوں نے خود 'سابقون الاولون' صحابه کرامؓ کی اتباع کی، تو ظاھر ھے قرآن کی اس آیت زیر بحث کے مطابق الله سبحانه و تعالیٰ ان سے راضی ھو گیا، اس لیئے الله تعالیٰ نے اُمت کے دلوں میں یه بات ڈال دی که ان حضرات کی اتباع کی جائے، در اصل ان حضراتؒ کا اتباع کرنا ھی صحابه کرامؓ کا اتباع کرنا ھے، اور صحابه کرامؓ کا اتباع کرنا خود رسول مکرم ﷺ کا اتباع کرنا ھے، اور رسول مکرم ﷺ کا اتباع کرنا الله سبحانه و تعالیٰ کی اطاعت ھے۔

صاحب احسان حضرات کون ھیں ان کاتفصیلاً ذکر ھو گزرا ھے، مزید تحقیق کے لیئے ملاحظه فرمائیں سورۂ مائده کی آیت نمبر 55تا56 :**إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ () وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ**:مطلب یه که جو لوگ الله اور رسول ﷺ کی طرف پھیر جائیں اور ان لوگوں کی طرف پھیر جائیں جو ایمان لائے ھیں (جماعت صاحب احسان)یعنی صحابه کرامؓ اور وہ لوگ جنھوں نے صحابه کرامؓ کی اتباع کی یه لوگ بھی ان کی اتباع کریں اور ان کی صحبت اختیار کریں تو یه جماعت الله کی جماعت ھے اور یھی جماعت غالب رھنے والی ھے۔

سورۂ اعراب کی آیت نمبر 196 میں ارشاد ھے: **إِنَّ وَلِيِّـيَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْن**:صالحین (یعنی صاحب احسان) کی صحبت میں بیٹھنے سے فیض حاصل ھوتا ھے، اُس کی وجه بھی یھی ھے که الله تعالیٰ صالحین کی حمایت کرتا ھے، **و ھو یتولی الصالحین** سے مراد بھی یه ھے که جب کوئی شخص صالحین کی طرف پھیر جاتا ھے ان کی صحبت اختیار کرلیتا ھے تو وہ اُن سے فیض حاصل کر لیتا ھے، یه فیض ھے کیا چیز؟ مثلاً ھمیں

حکم ھے که نبی پاک ﷺ پر درود بھیجیں، درود ھم نبی پاک ﷺ پر بھیجتے ھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ھم پر برسنا شروع ھو جاتیں ھیں، یه فیض ھے۔

آیت زیر بحث دراصل سورۂ فاتحه کی آیات مبارکه نمبر 4 تا 7 کی تشریح ھے جن میں الله تعالیٰ سے یه دُعا مانگی گئی ھے که اے الله ھمیں سیدھا راسته دکھا دے، پھر آگے وضاحت موجود ھے که سیدھا راسته کون سا راسته ھے یعنی اُن لوگوں کا راسته جن پر تو نے انعام کیا ھے یعنی صحابه کرامؓ، کیونکه اس امت میں سب سے زیاده انعامات یافته حضرات صحابه کرامؓ ھیں، پھر آگے دُعا ھے که نه ان لوگوں کا راسته جن پر غضب ھوا تیرا، اور نه راسته اُن لوگوں کا جو گمراه ھوئے، غضب کن په ھوا، یھودیوں پر، جنھوں نے اپنے رسولوں کی کتابوں کو بدله، ان کی بات نه مانی، انکار کیا، تکبر کیا، من مانی کی، تو ایسا نه ھو که ھم بھی ایسے کسی کی تقلید کریں یعنی اندھی تقلید جس کا نتیجه بھی وھی ھو که کتاب میں ردوبدل شروع کر دیں، فتویٰ نویسی شروع کر دیں، حق و باطل کو گڈ مڈ کر دیں اور اپنی ھاتھ کی لکھی ھوئی کو یه کھه دیں (نغوذ باالله) که یه الله کی طرف سے ھے (فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيْهِمْ ۃ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً ط فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ: سورۂ بقره : 79)، اور ایسا نه هو که هم پر بهی غضب نازل هو جائے، اور نه هم ان لوگوں کی اندهی تقلید کریں جنهوں نے رهبانیت اختیار کی تهی یعنی نصاریٰ کی، جس طرح سورۂ حدید آیت نمبر 27 میں هے: وَرَهْبَانِيَّةَ ن ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ج :یعنی هم نے ان پر رهبانیت فرض نهیں کی تهی بلکه انهوں نے خود اپنے اوپر فرض کی تهی ، تو پهر کهی ایسا نه هو که هم بهی ان کی طرح گمراه اور ضال هو جائیں، ان آیات مبارکه میں اتباع اختیار کرنے کا حکم هے صالحین کا، نه که اندهی تقلید کرنے کا۔

تقلید اور اتباع میں فرق یه هے که تقلید اندهی هوتی هے اس کی مثال سورۂ بقرۂ آیت نمبر 170 میں موجود هے: وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا ط أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَّلاَ يَهْتَدُون: "اور

جب ان لوگوں سے کها جاتا هے که جو (کتاب) الله نے نازل فرمائی هے اُس کی پیروی کرو تو کهتے هیں که (نهیں) بلکه هم تو اُسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر هم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بهلا اگرچه اُن کے باپ دادا نه کچه

سمجھتے ھوں اور نہ سیدھے راستے پر ھوں (تب بھی وہ انھیں کی تقلید کئے جائیں گے؟)"۔ھمیں حکم ھے کہ **اَطِیْعُواْ اللّٰهَ وَأَطِیْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِیْ الأَمْرِ مِنکُمْ** یعنی قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ کی پیروی کرو، **فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُولِ** یعنی تنازغ کی صورت میں قرآن اور سنت کی طرف رجوع کا حکم ھے ،**والذین اتبعوھم باحسان** ، یعنی جنھوں نے اصحابہ کرامؓ کی پیروی کی ان کی اتباع کرنا، یہ پیروی آثار صحابہؓ کی پیروی ھے اور یہ اتباع ھے اندھی تقلید نھیں۔ تو یہ جو حکم ھے کہ '**اَطِیْعُواْ اللّٰهَ وَأَطِیْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِیْ الأَمْرِ مِنکُمْ**' یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد 'اولی الامر' کے اطاعت کا حکم ھے، یہ اولی الامر در اصل 'صاحب احسان' حضرات ھیں، حضرت امام حسینؓ اور یزید کے درمیان جنگ صرف اس بات پر تھی کہ یزید 'اولی الامر' نھیں تھا جبکہ امام حسینؓ 'اولی الامر' تھے، لھٰذہ جو اولی الامر نہ ھو تو اس کی اطاعت نھیں ھو سکتی، پھر خود 'اولی الامر' اس انسان کی اطاعت کیسے کر سکتا ھے جو 'اولی الامر' نہ ھو۔

اسی طرح سورۂ لقمٰن کی آیات 21 اور 22 سے بھی اتباع اور اندھی تقلید میں فرق واضح ھو جاتاھے :**وَإِذَا قِیلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا**

وَجَـدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ؕ أَوَلَـوْ كَـانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيْرِ () وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ :
یـعـنی جب ان سے کہا جاتا ھے کہ اللہ نے جو نازل فرمایا ھے اس کی اتباع کرو تـو یـہ کہتـے ھیـں کـہ ھم اتباع نہیں کرتے مگر اس کی جس پر ھم نے اپنے باپ دادا کـو پـایـا ھـے، تـو یـہ ھے اندھی تقلید، اور جس نے اللہ کی رضا میں اپنی رضـا شـامل کر دی اور وہ صاحب احسان بھی ھو تو اس نے مضبوطی سے تھام لیا ایک سھارا، تو یہ ھے اتباع۔}

<u>اولی الامر صاحب احسان ہوتا ہے:</u>

سورۂ حٰم السجدہ میں اللہ تعالیٰ محسنین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُن کا مددگار رہوگا:

إِنَّ الَّـذِيْـنَ قَـالُـوا رَبُّـنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنتُمْ تُوعَدُونَ () نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُونَ () نُزُلاً مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيْمٍ () : (سورۃ حٰم السجدہ، آیت 30-32)

''بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر قائم رہیں ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) کہ تم ڈرو مت اور غم نہ کھاو اور جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی ہوں گے، اور تمہارے لیئے

وہاں وہ سب موجود ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لیئے وہ سب بھی موجود ہوگا جو تم مانگو گے، یہ مہمانی ہے بخشنے والے رحم فرمانے والے پروردگار کی طرف سے''۔

اسی طرح اپنے اولیاء کرام کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُون: (سورۃ یونس، آیت 62)

''یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے''۔

یعنی نہ دنیاوی زندگی میں ان کو کوئی خوف وغم ہوگا اور نہ پریشانی اور اسی طرح آخرت میں بھی ان پر کوئی خوف وغم نہ ہوگا، کیونکہ یہ (صاحب احسان) انعام یافتہ ہیں، اولیاء اللہ سے مراد صاحب احسان ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بَلٰى ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ: (سورۃ البقرہ، آیت 112)

''جو کوئی اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دے اور وہ نیک بھی ہو تو اس کے ربّ کے ہاں اس لیئے اجر ہوگا اور ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا اور وہ نہ غم کھائیں گے''۔

صدیقین

حاشیہ نمبر۶:{قیامت کے دن صدیقین فائدے میں رهیں گے اور اس کی وجه یه هے که انبیاء کرام علیهم السلام کے بعد صدیقین کو شفاعت کرنے کی اجازت

هوگی جو کہ ایك بڑا انعام ھے،سورۂ فاتحه میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا سیکھائی گئی ھے، الله تعالیٰ سورۂ نساء آیت نمبر 68 تا 69 میں فرماتا ھے کہ میں ضرور بضرور ان کو سیدھی راہ دکھاؤ ںگا یعنی صاحب احسان اور اسی راستے کے مسافر (یعنی سالك) گمراہ نه ھوں گے، اور وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کریں اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں تو یه لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ھوں گے جن کے اُوپر ھم نے انعام کیا ھے یعنی انبیاء ، صدیقین، شھداء اور صالحین۔انبیاء کے آنے کا دروازہ تو بند ھو چکا ھے باقی رھے صدیقین، جن کا سُرخیل حضرت ابو بکر صدیق ؓ ھے، شھداء اور صالحین، صالحین میں علماء، مشائخ، ذکر کے محافل والے حضرات وغیرہ شامل ھیں۔}

اسی طرح صدیق (احسان کا اعلیٰ درجہ) کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰہُ ھَذَا یَوۡمُ یَنفَعُ الصَّادِقِیۡنَ صِدۡقُھُمۡ ؕ لَھُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِن تَحۡتِھَا الۡأَنۡھَارُ خَالِدِیۡنَ فِیۡھَا أَبَداً ؕ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُواۡ عَنۡہُ ؕ ذَلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ: (سورۃ المائدہ، آیت 119)

''اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج وہ دن ہے جب سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی، ان کے لیئے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

دوسری جگہ صدیقین کے لیئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَ هُمْ أَوْ أَبْنَاءَ هُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ط أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ط رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ط أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ط أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ لا:
(سورۃ المجادلہ، آیت 22)

"آپ (ﷺ) ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھے جو اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کے مخالف ہیں، خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہو، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے، اور اپنے غیبی فیض سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے، سن رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی جماعت فلاح پانی والی ہے"۔

حاشیہ نمبر ۷:{پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیلؑ کے ھاتھوں مدد دیتے تھے اور اُن سے مختلف قسم کے معجزات رونما ھوتے تھے، سورۂ مجادلہ آیت 22 کے مطابق اللہ تعالیٰ صاحب احسان حضرات کو حضرت جبرئیلؑ کے ھاتھوں مدد دیتا ھے تبھی تو ان سے کرامات ظاھر ھوتے ھیں۔}

اوپر والی آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے صاحب احسان بندوں کے ایمان کی ثابت قدمی اور اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کی تعریف کی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت و اطاعت میں ان محسنین نے اپنے خاندان، عزیز و اقارب کو، جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف تھے، چھوڑ دیا، آیت کے درمیانی حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص کا ذکر فرمایا ہے یعنی ایمان کی ثابت قدمی اور استقامت جو کہ محسنین کو عطا کی گئی، اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے محسنین کے راضی بالرضا ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی ہونے کا بیان فرمایا جو کہ عظیم دولت ہے۔

صاحب احسان کی ایک اور خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ ہمیشہ حق پر ڈٹا رہے گا، حق بات پر استقامت کا مظاہرہ کرے گا، ثابت قدم رہے گا، صابر ہوگا صبر کا دامن کبھی بھی نہیں چھوڑے گا اور اگر کبھی اسلام کے خلاف کوئی کوشش کرے گا تو اس کا جواب ہمیشہ دلیل سے دے گا اور اس کی سرکوبی کے لیئے ہمہ وقت مرد میدان بنا رہے گا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان سچے بندوں کی اس خصوصیت کا اشارہ سورۂ عصر میں دیا ہے:

وَالْعَصْرِ () إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ () إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ () : (سورۃ العصر، آیت 3-1)

"قسم ہے زمانے کی، یقیناً انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور صبر وتحمل سے کام لینے کی تاکید کرتے رہے"۔

اسی طرح محسنین کو قرآن پاک نے صابر، صادق، فرمانبردار، خرچ کرنے والے اور استغفار

والے کہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالاَسْحَارِ :(سورۃ آل عمران، آیت 17)

''(یہ لوگ) صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے فرمانبردار اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور آخر شب (اپنے پروردگار سے) گناہوں کی بخشش چاہنے والے ہوتے ہیں''۔

محسنین بندے جھوٹی گواہی سے پرہیز کرتے ہیں، جھوٹی گواہی ایمان کے درجات سلب ہونے اور اللہ کے قرب سے گرنے کا باعث بنتی ہے، اللہ کے یہ بندے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرتے ہیں، اور بے ہودہ مجلس سے پرہیز اور لغو باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً () وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً :(سورۃ الفرقان، آیت:73-72)

''اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بے ہودہ مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں، اور وہ لوگ جن کو ان کے ربّ کی آیات سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور وفکر کرتے ہیں)''۔

محسنین بندوں کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ص وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ ص قف وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ :(سورۃ ال عمران، آیت135)

''اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر گزرتے ہیں یا اپنی ہی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو (فوراً) اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں اور پھر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے، اور یہ لوگ جو گناہ کر چکے ہوں اس پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں''۔

انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اور باقی انسانوں سے گناہ سرزد ہونے کا امکان ہوتا ہے، وہ نیکوکار و تقویٰ دار لوگ جن کو قرآن کریم محسنین (صاحب احسان) کہتا ہے جب اُن سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں جیسا کہ اوپر والی آیت سے واضح ہے، گناہ اور ثواب کے حوالے سے ان کا معاملہ بروز محشر کیا ہوگا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ج وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً () يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَاناً (قصلے) إِلَّا مَن تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيْماً ()(سورۃ الفرقان، آیت68-70)

''اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹہرایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو کوئی ایسے کام کریگا وہ گناہ کی سزا پائے گا، دگنا کیا جائے گا اس کے لیئے عذاب روز قیامت اور پڑا رہے گا وہ ہمیشہ اس میں

ذلیل وخوار ہوکر،مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لاکر اچھے عمل کیے،سو ایسے لوگوں کے لیئے اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا،اور اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا،رحم کرنے والا ہے''۔

آیت نمبر 68 میں صاحب احسان لوگوں کی صفت بیان کی گئی ہے،اور آیت نمبر 69 اور 70 میں اُن سے گناہ سرزد ہوجانے کی صورت میں دُگنے عذاب کی وعید کی گئی ہے،لیکن ساتھ یہ خوشخبری بھی سنائی گئی ہے کہ اگر گناہ کے فوراً بعد توبہ کرلے اور پھر اس گناہ پر اصرار نہ کرئے اور عمل صالح پر کاربند رہے تو اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کرلیں گے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق بروز قیامت کفار اعتراض کرینگے کہ ان لوگوں نے (محسنین) تو اتنا بڑا گناہ کیا ہے،تو ان کا اتنا بڑا مقام ومرتبہ کیسا،تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اِن کا یہ گناہ میری یاد کا سبب بنا تھا۔

صاحب احسان بندوں کو آگے سورۂ احزاب میں بھی عذاب کی وعید کی گئی ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَن يَّأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْراً :(سورۃ الاحزاب،آیت 30)

''اے نبی (ﷺ) کی بیویوں!تم میں سے جو کوئی واضح طور پر نا شائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی تو اس کو دگنی سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے لیئے یہ بہت آسان ہے''۔

اُمہات المؤمنین میں حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) 'صدیقہ' کے درجے پر فائز تھی یعنی صاحبہ احسان تھی،صدیق یا صدیقہ کا درجہ انبیائے کرام کے بعد صالحین میں سب سے بڑا درجہ ہے۔

سورۂ فرقان کی آیت نمبر 69 جو پہلے بیان ہو چکی ہے، اور سورۂ احزاب کی آیت نمبر 30 سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب احسان، گناہ سرزد ہونے کی صورت میں، دُگنے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے، اور سورۂ فرقان کی آیت نمبر 70 کے مطابق اگر وہ (گناہ کرنے کے فوراً بعد) توبہ کر لیتا ہے اور عمل صالح پر قائم رہتا ہے تو آخرت میں اُن کے گناہ نیکیوں میں تبدیل کئے جائیں گے۔

اس بات کی وضاحت پہلے سورۃ مائدہ آیت نمبر 93 میں ہو چکی ہے کہ تقویٰ اور ایمان کے تین درجے ہیں، اور جو بندہ ایمان کے تیسرے درجے کو پالیتا ہے وہ صاحب احسان کہلاتا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی سورۂ انعام آیت نمبر 132 میں واضح ہو چکی ہے، کہ ہر عمل کا ایک درجہ ہے، عمل صالح اور نیکی کی صورت میں درجات بڑھتے ہیں اور ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، ایمان پہلے درجے سے دوسرے اور پھر تیسرے درجے میں داخل ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر بندۂ مؤمن علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین میں داخل ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر صاحب احسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس صورت میں ایمان کا درجہ گھٹتا ہے، ایمان کا تیسرا درجہ دوسرے درجے پر یا پہلے درجے پر آ جاتا ہے، پہلے درجے کا ایمان 'عام مسلمان' کا ایمان ہوتا ہے، اس صورت میں وہ دُگنے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرتا ہے اور عمل صالح پر قائم رہتا ہے تو اپنے مقام کو (مقام احسان کو) واپس پالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آتا ہے کہ اُن کے گناہ کے بدلے نیکی عطاء فرماتا ہے۔

صاحب احسان کے دل کی حالتیں:

قرآن کریم کی سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 93 (جو کہ پہلے بیان ہوچکی ہے) میں مختلف تقویٰ اور ایمان کا ذکر ہے یعنی تین تقویٰ وایمان کا ذکر ہے، جیسے جیسے تقویٰ وایمان میں پختگی، ترقی اور زیادتی آتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بندۂ مؤمن کے دل کی حالت وکیفیات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

قرآن کریم نے دل کی ان حالات وکیفیات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ (لا) إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (ط) وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (لا): (سورۃ الشعرآء، آیت 88-90)

''جس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد، سوائے اس شخص کے جو پاک دل لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا، اور وہ جنت نیک لوگوں کے لیئے قریب کردی جائے گی''۔

اسی طرح حضوری والا دل، متوجہ اور حاضر دل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَن کَانَ لَهُ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَهُوَ شَهِیۡدٌ :(سورۃ ق، آیت 37)

''بے شک اس میں نصیحت ہے ایسے شخص کے لیئے جس کے پاس دل (بیدار ہو) یا کان دھرتا ہے دل سے متوجہ ہوکر''۔

اسی طرح دل کی تیسری حالت 'قلب منیب' ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (لا) ن ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ () لَهُم مَّا يَشَاؤُونَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ:(سورۃ ق،آیت35-33)

''جو بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور رجوع کرنے والے دل کے ساتھ آئے، داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں سلامتی سے، یہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے، اُن کے لیئے وہاں وہ سب ہو گا جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس اور بھی بہت کچھ ہے''۔

<u>قیامت کے روز صاحبِ احسان بندوں کی گواہی:</u> قیامت کے دن انبیاء کرام کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے وہ اُمتی جو احسان کے درجہ پر فائز ہیں، وہ بھی گواہی دیں گے، جیسا کہ سورۂ نساء میں انبیاء کرام کے بعد صدیقین، شھداء اور صالحین کا ذکر آیا ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقاً :(سورۃ النساء،آیت69)

''اور جس نے اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، سو یہی ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ (ہوں گے) کہ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، (یعنی) انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین اور یہ لوگ بطور رفیق بہت اچھے ہیں''۔

قیامت کے روز محسنین کی گواہی کے متعلق اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ :(سورۃ البقرہ،آیت143)

''اور اسی طرح (اے مسلمانوں!) ہم نے تم کو ایک متوسط گروہ بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو،اور اللہ کا رسول (ﷺ) تمھارا گواہ ہو''۔

اسی طرح سورۂ حج میں بھی محسنین کے قیامت کے روز لوگوں کے اوپر گواہ رہنے کا اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے:

وَفِيۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ : (سورۃ الحج،آیت78)

''اور اس (کتاب) میں بھی (وہی نام ہے) تا کہ رسول (ﷺ) تم پر گواہ رہے، اور تم لوگوں پر گواہ رہو''۔

اسی طرح سورۂ سبا میں ارشاد ہوا ہے:

وَيَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَيَهۡدِيۡۤ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ : (سورۃ سبا،آیت6)

''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (کلام) آپ (ﷺ) پر آپ (ﷺ) کے ربّ کی طرف سے اُتارا گیا ہے وہ بالکل سچا ہے اور غالب اور قابل حمد وثناء ذات (اللہ تعالیٰ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے''۔

حاشیہ نمبر۸:{سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 143 میں اس اُمت کو شھداء علی الناس

کھا گیا ھے یعنی وہ اُمت جو دوسرے اُمتوں پر گواھی دینگے، یہ ایك بھت ھی عجیب سی بات ھے کہ سب سے آخر میں آنے والی اُمت اپنے سے پھلے گزرنے والی اُمتوں کے بارے میں گواھی دینگے کہ انھوں نے یہ کیا تھا اور انھوں نے وہ کیا تھا، دراصل یہ گواھی ساری اُمتیوں کی نھیں ھو گی بلکہ وہ علما و مشائخ حضرات جو صاحب احسان ھوں گے اُن کی گواھی ھو گی، اس بات کا ذکر سورۂ اعراف کے حوالے سے گزر چکی ھے یعنی یھی صاحب احسان لوگ قیامت کے دن ایك اونچے ٹیلے جس کو اعراف کھا جاتا ھے پر کھڑے ھوکر اھل جنت اور اھل دوزخ سے بات چیت کریں گے، اگر اس آیت مبارکہ کے ساتھ ھم سورۂ انعام کی آیت نمبر 59 کو بھی ملا کر پڑھ لیں تو بات واضح ھو جائے گی، اس آیت مبارکہ میں علم غیب کا ذکر ھے، و **عندہ مفاتح الغیب**، یعنی غیب کی کنجیاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پاس ھیں، **لا یعلمھا الا ھو**، اور کوئی نھیں جانتا مگر وہ اللہ جانتا ھے، اور آخر میں ھے کہ یہ سب باتیں کتٰب مبین میں درج ھیں، غیب کیا ھے؟ اور کتاب مبین کیا ھے؟

ھر وہ چیز جو کسی انسان کو معلوم نہ ھو یعنی کسی چیز کا علم کسی کے پاس نہ ھو تو وہ چیز اس کے لیئے غیب ھے، اور جس انسان کو اس

چیز کے بارے میں معلوم ھو تو وہ اس کے لیئے غیب نہیں ھے، یعنی ایک چیز ایک انسان کے لیئے غیب ھو سکتی ھے لیکن وھی چیز دوسرے انسان کے لیئے غیب نہیں ھو سکتی مثلاً درزی کا کام یا مستری کا کام میں نہیں جانتا تو یہ میرے لیئے غیب ھے لیکن اُس آدمی کے لیئے غیب نہیں ھے جو یہ کام جانتا ھو، آیت الکرسی میں ارشاد ھوا ھے **لا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شاء** ، یعنی کوئی بھی اللہ کے غیب کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا، کوئی بھی علم غیب کو نہیں پا سکتا، نہیں جان سکتا مگر ' **الا بما شاء** ' یعنی جس کے لیئے اللہ چاھے، یعنی جس کے لیئے اللہ چاھے اس کو علم عطا فرما دیتا ھے ، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب معراج النبیؐ کے موضوع پر ایک لیکچر میں فرماتے ھیں " البتہ یہ اُس کو اختیار ھے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاھے عطا فرما دے، اپنی سماعت میں سے جتنا حصہ چاھے کسی کو مرحمت فرما دے، اپنی بصارت میں سے جتنا چاھے کسی پر فیضان فرما دے ، یہ اسی کو اختیار ھے"۔ (بحوالہ معراج النبیؐ، ص 24)

تو اس آیت مبارکہ میں (سورۂ انعام آیت 59) بھی غیب کی کنجیوں کا ذکر ھے، اس کے علاوہ سورۂ زمر آیت 63 اور سورۂ شوریٰ آیت 12 میں

بھی کنجیوں کا ذکر ھے، ایك جگه پر تالے کا بھی ذکر آیا ھے تو لازمی بات ھے کہ چابیاں تالا کھولنے کے کام آتی ھیں اگرتصور نه کھولنے کا ھو تو پھر کنجیوں کا ذکر کوئی معنی نہیں رکھتا، کنجیاں ھوتی ھی اس لیئے ھیں که اس کے ساتھ تالہ کھولا جائے، اب یہ کنجیاں الله جس کو چاھے عنایت فرمادیں، اسی طرح سورۂ بقرہ آیت 32 میں ارشاد ھے: **قَالُواْ سُبۡحَٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡحَكِيمُ** :"اُنھوں نے عرض کیا پاك ھے تیری ذات نہیں ھمیں علم مگر اسی قدر جتنا تو نے سکھایا ھمیں، بے شك تو ھی ھے سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا"۔ ھر وہ لمحه جو گزر چکا ھے یعنی آواز اور تصویر، فضاء میں موجود ھیں اس کو کتاب مبین (عالم مثال) کھا جاتا ھے، جتنے زمانے گزرے ھیں جتنے بھی انسان گزرے ھیں سب کی آوازیں بمع تصاویر یعنی سب اعمال فضاء میں اونچائی پرموجود ھیں، اس کو حضرت الامام شاہ ولی الله دھلویؒ نے 'جسم مثالی' کا نام دیا ھے، فرانس میں ایك سائنسی ادارہ اس پر کام کر رھا ھے، وہ سائنسدان فضاء سے آوازیں پکڑتے ھیں اور پھر ان کا تجزیه کرتے ھیں که آواز کتنا پرانا ھے، کس جگه کی ھے، اور کس کی ھے وغیرہ

اس اُمت کے صاحب احسان حضرات قیامت کے دن دوسری اُمتوں پر گواهی اس لیئے دیں گے که ان حضرات کو الله تعالیٰ نے مشاهدے کی طاقت سے نوازا هوتا هے، یه حضرات اپنے اس طاقت کی وجه سے کتاب مبین میں سے گزرے هوئے واقعات کا اپنی آنکهوں سے مشاهده کرتے هیں، مثال اس کی حضرت عمرؓ کا وه واقعه هے جب حضرت عمرؓ نے مدینه منوره میں ممبر پر کهڑے هوئے دوران خطبه عراق میں لڑنے والے اپنے کمانڈر ان چیف حضرت ساریهؓ کو هدایات جاری فرمائے، اسی طرح جب حضرت امام ابو حنیفهؒ کو خلیفه وقت نے چیف جسٹس کے عهدے کی پیشکش کی تو آپؒ نے یه کهه کر آفر ٹکرا دی که جج تو پرائی آنکهوں سے دیکهتا هے جبکه میں تو اپنی آنکهوں سے دیکهتا هوں، مطلب یه تها که جج تو کسی کیس کا فیصله گواهوں کی گواهی کی وجه سے کرتا هے جبکه میرا تو اپنا مشاهده هے، الله تعالیٰ نے مجهے اس نعمت سے نوازا هے لهٰذا میں یه عهده قبول نهیں کر سکتا۔}

اسی طرح سورۃ مطففین آیت نمبر 21 میں بھی مقربین (صاحب احسان) کی گواہی کا ذکر ہے:

یَشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ: ''مقربین اس کو دیکھتے ہیں''۔

مقربین سے مراد صاحب احسان ہیں جیسا کہ آگے اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الۡاَبۡـرَارَ لَـفِیۡ نَعِیۡمٍ (لا) عَـلَـی الۡاَرَائِکِ یَنظُرُوۡنَ () تَعۡـرِفُ فِیۡ وُجُوهِهِمۡ

نَضۡـرَةَ الـنَّعِيۡمِ (ج) يُسۡـقَـوۡنَ مِـن رَّحِيۡـقٍ مَّخۡتُومٍ (لا) خِتَـامُـهُ مِسۡكٌ ط وَفِیۡ ذٰلِکَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُونَ (ط) وَمِزَاجُهُ مِن تَسۡنِيۡمٍ (لا) عَيۡناً يَشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُونَ ط:(سورۃ المطففین ،آیت22-28)

''بے شک نیک لوگ نعمت (کے باغوں) میں ہوں گے،تختوں پر بیٹھے نظارہ کررہے ہونگے، (اے مخاطب) تو ان کے چہروں پر خوشحالی کی تروتازگی دیکھے گا،ان کو سربہ مہر خالص (پاکیزہ) شراب پلائی جائے گی،اس پر مشک کی مہر ہوگی،آگے بڑھنے کے خواہشمندوں کو چاہیئے کہ اس میں آگے بڑھے، اوراس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی،(تسنیم) ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پانی پئیں گے''۔

تسنیم کا یہ چشمہ صرف اورصرف مقربین یعنی صاحب احسان لوگوں کے لیئے مخصوص ہے،اس سے نیچے درجات کے لوگ (یعنی احسان سے نیچے درجات) اس سے پانی نہیں پی سکتے،اُن کے لیئے جو چشمے ہیں اُن کا ذکر سورۂ دھر آیت 5 تا 6 میں تفصیلاً موجود ہے:

اِنَّ الۡأَبۡـرَارَ يَشۡـرَبُونَ مِن كَأۡسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً (ج) عَيۡـناً يَشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفۡجِيۡراً :

''بے شک نیک لوگ ایسی شراب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی،وہ ایک چشمہ ہوگا جس کا پانی اللہ کے بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کرلے جائیں گے''۔

اسی طرح آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيُسۡـقَـوۡنَ فِيۡهَـا كَأۡساً كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيۡلاً (ج) عَيۡـناً فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلاً :

(سورۃ الدھر، آیت 18-17)

''اوران کو وہاں ایسے جام پلائیں جائیں گے جن میں سُونٹھ کی آمیزش ہوگی، یہ جنت کا ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے''۔

سورۂ واقعہ میں مقربین اور اصحاب یمین کے اُخروی مقام کا الگ الگ ذکر آیا ہے یعنی ان دونوں کے درجات بھی الگ ہیں اور درجات کے مطابق آخرت میں ثمرات ومقامات بھی جدا جدا ہیں:

فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ (لا) فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۵لا وَجَنَّةُ النَعِيمِ () وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ أَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (لا) فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِيْنِ:(سورۃ الواقعہ، آیت 88 تا 91)

''پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہیں تو (اس کے لیئے) آرام وآسائش اور خوشبودار کھانے اور نعمتوں والی جنت ہے، اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں ہوگا (تو اسے کہا جائے گا) تو سلامتی ہو تیرے لیئے کہ تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے''۔

اسی طرح سورۂ واقعہ کی آیات 7 سے 9 میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آخرت میں تین گروہ ہونگے، پہلا دائیں ہاتھ والا یعنی جنت میں جانے والے، جن کو عمل نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، دوسرا بائیں ہاتھ والے یعنی جہنمی لوگ، اور تیسرا مقرب لوگوں کا یعنی صاحب احسان حضرات کا گروہ۔ مقربین کی مزید وضاحت کے لیئے اسی سورۂ کی آیات 10 سے 14 ملاحظہ ہو:

وَالسَّـابِقُونَ السَّابِقُونَ (ج لا) أُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُونَ (ج) فِـىْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ () ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ (لا) وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ (ط):

’’اور (تیسرے) سبقت لے جانے والے ہی سبقت لے جانے والے ہوں گے، یہ مقرب لوگ ہیں جونعمتوں بھرے باغوں میں رہیں گے، بہت سے اگلے لوگوں میں سے ہونگے اور تھوڑے پچھلوں میں سے‘‘۔

سابقون یعنی سبقت لے جانے والے نیکی میں آگے بڑھنے والے (صاحب احسان) اس درجے کے بندگان اولون یعنی پہلے زمانے کے لوگ اور بعد میں آنے والے اس درجے کے لوگ ’’**والّذین اتبعوھم باحسان** ۙ‘‘ کے زمرے میں آتے ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ (ۙ) وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (ؕ) کی تشریح:

اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں ان کی تعداد زیادہ ہوگی اور بعد میں ان کی تعداد قلیل یعنی کم ہوگی، سورۂ حدید میں ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ أُوْلٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنفَقُوا مِن بَعْدِ وَقٰتَلُوا ؕ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ :(سورۃ الحدید، آیت 10)

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کا وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے، جن لوگوں نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا (فتح کے بعد خرچ کرنے والے ان کے) برابر نہیں، اُن لوگوں کا درجہ اُن سے کہیں بڑھ کر ہے، جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ نے سب ہی سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو‘‘۔

ان آیات سے واضح ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا اُن کا درجہ فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے، فتح مکہ سے پہلے والوں کو 'اعظمُ دَرجةً' کہا گیا ہے۔

فتح مکہ کی وحی صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، جیسا کہ سورۂ فتح کی آیت نمبر 1 میں اس کا ذکر ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحاً مُّبِیۡناً (۱): ''اے نبی (ﷺ)! بلاشبہ ہم نے آپ (ﷺ) کو کھلی فتح دی''۔

یعنی فتح مبین صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل شدہ وحی ہے، اسی لیئے صلح حدیبیہ سے پہلے والے لوگ **ثُـلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡن** کہلائے جائیں گے اور صلح حدیبیہ کے بعد والے لوگ **قَـلِیۡـلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡن** یعنی صلح حدیبیہ کے بعد کے وقتوں میں صاحب احسان کم پیدا ہونگے اور صلح حدیبیہ سے پہلے وقتوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔

اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نصر میں فرمایا ہے:

اِذَا جَاءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ (۱) **وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُونَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجاً** (۲) **فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ط اِنَّهٗ کَانَ تَوَّاباً** (): (سورۃ النصر، آیت 1 تا 3)

''جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور (مکہ) فتح ہوگیا اور آپ (ﷺ) نے لوگوں کو گروہ در گروہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیا، تو آپ (ﷺ) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجیئے اور اس سے مغفرت طلب کیجیئے بےشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے''۔

اسی لیئے فتح مکہ کے بعد مختلف قبائل پے در پے اسلام میں داخل ہو گئے، سورۂ واقعہ کی آیت نمبر 14 اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ یعنی صاحب احسان کم ہونگے، اس میں اکثریت اصحاب یمین والوں کی ہوگی، جیسا کہ سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ (ط) فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ () وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ () وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ()وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ (لا) وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ () لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ () وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ () إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاء () فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً () عُرُباً أَتْرَاباً () لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ () ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ () وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (ط) :(سورۃ الواقعہ، آیت 27 تا40)

''اور دائیں طرف والے، دائیں طرف والوں کا کیا کہنا، وہ بے خار بیریوں کے درختوں، اور تہہ بہ تہہ کیلوں اور لمبے لمبے سایوں، اور پانی کے جھرنوں اور بکثرت میووں کے ایسے باغوں میں ہونگے، جس کی نہ فصل ختم ہوگی اور نہ کوئی روک ٹوک ہوگی، اور اُونچے فرش ہونگے، ہم نے ان حوروں کو ایک خاص طریقے سے پروان چڑھایا ہے یعنی ہم نے ان کو کنواریاں ہی بنایا، پیار دلانے والیاں ہم عمر، دائیں ہاتھ والوں کے لیئے اور دائیں ہاتھ والوں کا ایک بڑا گروہ اگلوں میں سے اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے ہوگا''۔

اس لیئے اصحٰب الیمین درجہ کے لوگ صلح حدیبیہ سے پہلے زیادہ تعداد میں ہونگے اور اس کے بعد (صلح حدیبیہ کے بعد) قلیل تعداد میں ہونگے۔

سورۂ حدید آیت نمبر 12 میں فرمایا گیا ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ

الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا ط ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ج:

''جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کے آگے اور ان کے دائیں جانب ان کا نور دوڑتا ہوا جا رہا ہوگا (اُن سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے لیئے خوشخبری ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہے، جہاں تم ہمیشہ رہو گے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

توجہ فرمائیے کہ سورۂ حدید آیت نمبر 12 آخری حصہ وہی ہے جس طرح سورۂ توبہ آیت نمبر 100 کا آخری حصہ ہے یعنی ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ: ''جن کا نور ان کے دائیں طرف ہوگا وہ اصحٰبُ الیمین ہونگے، جیسا کہ سورۂ واقعہ کی آیت نمبر 7 میں آیا ہے: وَ کُنتُم اَزواجاً ثَلٰثَةً ط: ''اور تمہارے تین گروہ بن جائیں گے''۔

آگے فرمایا گیا ہے: فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ: ''ایک تو دائیں طرف والے ہونگے اور دائیں طرف والوں کا کیا کہنا''۔ دوسرے گروہ کو ''أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ :(الواقعہ:9)'' کہا گیا ہے یعنی جہنمی لوگ۔

جن لوگوں کا نور اُن کے آگے ہوگا ان کو المقربون کہا گیا ہے اور وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ کہا گیا ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ () أُوْلٰئِکَ الْمُقَرَّبُونَ () فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ: (سورۃ الواقعہ، آیت 10 تا 12)

''اور (تیرے) سبقت لے جانے والے ہی سبقت لے جانے والے ہونگے، یہ مقرب

لوگ ہیں، جو نعمتوں سے بھرے باغوں میں رہیں گے''۔

صاحب احسان حضرات کے لیئے جنتوں کی بشارتیں

صاحب احسان حضرات کے لیئے جنتوں کی بشارتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، ایک ایک نہیں، دو دو نہیں، تین تین نہیں بلکہ چار چار جنتوں کی بشارتیں اور ساتھ ساتھ مختلف قسم کی انعامات جو جنتوں میں موجود اور اُن کو میسر ہوں گی، ملاحظہ ہوں سورۃ الرحمٰن کی آیات 46 تا 78:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (ج) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (لا) ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ (ج) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ()فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ() فِیْهِمَا مِن کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ () مُتَّکِئِیْنَ عَلَی فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ط وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ () فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لا لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (ج) کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ()هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ()وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتٰنِ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (لا)مُدْهَآمَّتٰنِ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (ج)فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (ج) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ() فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (ج)فِیْهِنَّ خَیْرَاتٌ حِسَانٌ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ(ج)حُورٌ مَّقْصُورٰتٌ فِیْ الْخِیَامِ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (ج)لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ()مُتَّکِئِیْنَ عَلَی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ (ج)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ()تَبَارَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِیْ الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ:

''اور اس شخص کے لیئے جو ڈرتا رہا اپنے رب کے مقام سے، دو دو جنتیں ہیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ بھر پور ہری بھری ڈالیوں والی۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں جنتوں میں دو دو چشمے رواں ہیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ہیں دونوں جنتوں میں ہر قسم کے لذیز پھلوں کی دو دو قسمیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ بیٹھے ہوں گے تکیے لگا کر ایسے فرشوں پر جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور پھل دونوں جنتوں کے جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ہوں گی ان نعمتوں کے درمیان شرمیلی نگاہوں والیاں کہ نہ چھوا ہوگا انہیں کسی انسان نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ خوبصورت ایسی گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ نہیں ہے اعلیٰ درجہ کی نیکی کا بدلہ مگر اعلیٰ درجے کی جزا۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دو جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں (یہ چار جنتیں ہوئیں)۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ گھنی سرسبز و شاداب جنتیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں بھی چشمے ہوں گے ابلتے ہوئے۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ان جنتوں میں ہوں گے لذیذ پھل ور کھجوریں اور انار۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ ان نعمتوں کے درمیان ہوں گی خوب سیرت اور خوبصورت عورتیں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ حوریں ٹھہرائی ہوئی خیموں میں۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ نہیں چھوا ہوگا انہیں کسی انسان نے ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز قالینوں پر جو نادر اور خوبصورت ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے۔ بہت برکت والا ہے نام تیرے رب کا جو عظمت اور انعام والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحسِنِين: (سورۂ عنکبوت آیت 69) یعنی جو کوئی میرے راستہ میں کوشش کرتا ہے تو میں اس کو راستہ برابر دکھاتا ہوں اور اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی راستے کا مسافر بنائے اور اس راستے پر استحکام نصیب فرمائے، آمین